JUNE 2022 ذی قعدہ ۱۴۴۳ھ

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور



جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۸ شمارہ نمبر ۲

ذوالقعدۃ ۱۴۴۳ھ جون ۲۰۲۲ء

زر تعاون

فی شمارہ ——— ۳۰/روپے

سالانہ زر تعاون ——— ۳۰۰ روپے

بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE

SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA

Ph: 0132-2655542

Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

وقت کا تقاضا

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

سرزمین ہندوستان کی ہمیشہ سے یہ نمایاں خصوصیت اور اِس ملک کا امتیاز رہا ہے کہ یہاں مختلف ادیان و مذاہب کے ماننے والے موجود رہے ہیں، اسی طرح سے یہاں مختلف تہذیبیں ہمیشہ سے معاشرہ میں پروان چڑھتی رہی ہیں، اس سلسلہ میں سرزمین ہند کی ہمسری کوئی اور ملک نہیں کرسکتا۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک خاص ذہنیت ہمیشہ سے اس ملک پر اجارہ داری کا خواب دیکھتی رہی ہے، اور اس سرزمین پر صرف اپنی مذہبی تہذیب کو ہی پروان چڑھتا دیکھنا چاہتی ہے۔ سیاسی استحکام اور مصلحت خداوندی سے کئی صدیاں ایسی بھی گزری ہیں جب کہ زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی اور قریب ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے اس ملک پر حکمرانی کی ہے۔تعمیر ملک و وطن کے بڑے بڑے کام بھی انجام دیئے لیکن منفی ذہنیت رکھنے والا وہ گروہ ہمیشہ سے مسلمانوں سے برگشتہ رہا ہے، اور اب بھی ہے۔اِس وقت زمامِ اقتدار ایک طرح سے انہیں منفی ذہنیت کے حامل افراد کے ہاتھوں میں پہنچ گئی اور وہ ہر طرح سے اپنی تہذیب اور اپنا اقتدار پورے ملک پر مسلط کرکے یہاں کی منفرد تاریخ اور تہذیب کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے وہ ہر طرح کی بازی گری اور سیاسی کھیل کھیل رہے ہیں۔آج پورے ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے پس منظر میں یہی منفی ذہنیت ہر طرح سے مکمل طور پر کارفرما ہے۔

ہمارا ملک ہندوستان ہمارے لیے اس وقت جیسا ہے وہ ہم سب پر عیاں ہے۔آج دوسروں کے مقابلہ میں ہم اقتصادی، تعلیمی اور سیاسی طور پر بہت پیچھے ہیں، ہم پر اور ملت اسلامیہ پر جتنی بھی افتاد پڑتی ہے ہم حکومت اور دوسرے برادران وطن کو موردالزام ٹھہرا کر خاموش ہوجاتے ہیں۔

یہ شکایت بجا ہے لیکن یہ بھی سوچنے کا مقام ہے کہ ملک کی ہائی کمان سوسائٹی میں عہدوں کے اعتبار سے مسلمانوں کا تناسب ہی کتنا ہے؟ ۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں 13.4 رفیصد مسلمان

ہیں، اس تناسب کے لحاظ سے پولیس فورس میں مسلمانوں کی جو تعداد ہونی چاہئے وہ نہیں ہے، کیا ہم نے کبھی اس بات پر سنجیدگی سے غور کیا کہ جب پولیس میں کانسٹبل کے لیے بھرتی ہوتی ہے تو درخواست دینے والوں میں مسلمان ایک فیصد بھی نہیں ہوتے، جب کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ہندوستانی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ۱۴؍فیصد کے قریب قریب ہے۔ اس طرح اور دیگر شعبہ جات ہیں جہاں مسلمان پہنچ سکتا ہے اور بہت سارے مسائل کا حل ہوسکتا ہے لیکن ہماری سوچ اور ہماری فکر کا دائرہ بہت محدود ہے، غم و غصہ سے بھرپور بیان بازی اور برادران وطن کی بدسلوکی کا رونا تو رو لیتے ہیں لیکن ایک پہلو وہ بھی ہے جو اوپر بیان ہوا اس پر سوچنا چاہئے، اور بہتر مستقبل کی تعمیر کا خواب دیکھنا چاہئے۔

غم و غصہ سے جذبات کا بے قابو ہوجانا غیر فطری نہیں ہے لیکن ہمیں سکھایا گیا ہے کہ

''سمجھ، بوجھ، افہام و تفہیم، میانہ روی، قانون کے دائرہ کی پابندی اور محنت و جفاکشی ہی ہمارا شیوہ ہے''۔

ہماری سمجھ کا تقاضا ہے کہ ہم اپنا ایک ایک منٹ قیمتی سمجھیں اور اسے طویل مدتی منصوبہ سازی کے لیے استعمال کریں۔ ہمارا مقصد تحریر یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم باقاعدہ حکومت میں دخیل بنیں، بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ سرکاری ملازمتوں میں ہمارا فیصد کچھ تو بڑھے اور ہم تحقیق و تفتیش کے بہت سارے مراحل میں اغیار کی چشم التفات کے محتاج نہ رہیں۔ ملت اسلامیہ کے طویل مدتی مفاد کو سامنے رکھ کر ایک مکمل منصوبہ سازی ہو تا کہ روز روز کی یہ خانہ تلاشی اور الزام سے ہماری جان چھوٹے، سرکاری ملازمتوں میں خاص طور سے محکمۂ پولیس اور سرکاری میڈیا میں ہمارا تناسب بڑھے اور برادران وطن یہ محسوس کریں کہ یہ مسلم قوم صرف جذبات میں مدہوش نہیں رہتی بلکہ منصوبہ بندی کرتی ہے اور ٹھیک منصوبہ بندی کرتی ہے۔ سرکاری ملازمتوں میں ہماری شمولیت ہندوستانی مسلمانوں کے روشن مستقبل کی دلیل ہوگی لیکن دینی صلابت اور عقیدے کی پختگی بھی ضروری ہے۔ اپنے دین اور مذہب میں ٹھوس اور پکا ہونا بھی ضروری ہے۔ دین و مذہب کا رنگ اتنا گہرا ہونا چاہئے کہ پھر کسی بھی محکمہ میں جانے کے بعد وہاں کا عمومی رنگ غالب نہ ہونے پائے۔ اس کے لیے شروع ہی سے اللہ کی طرف رجوع اور اس کا خوف و خشیت ضروری ہے بغیر اس کے دینی رنگ غالب نہیں ہوسکتا ہے اور اس رنگ و آہنگ کے بغیر تمام سرکاری عہدے مادی اعتبار سے نفع بخش تو ہوسکتے ہیں ملت کے لیے خاطر خواہ سودمند نہیں ہوسکتے۔

اب ہمارے کرنے کے کام یہ ہیں،ہم قوم کی اخلاقی قدروں کی تعمیر کریں،من حیث القوم اپنے اندر سے روحانی قلبی بیماریوں کا خاتمہ کریں،قوم کو ایک صحت مندانہ سوچ وفکر عطا کریں اور قوم کے اخلاق کو بلند کریں۔اب ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟

دراصل جس چیز کی مسلم امت کو ضرورت ہے وہ یہ کہ کسی تصادم اور چپقلش میں پڑنے کی بجائے اسے موقع ملے کہ وہ خاموشی سے مسلم عوام کی ترقی اور بہبود کے لیے تیز رفتار اقدامات کر سکے،جس کی اساس صحیح اسلامی تعلیم وتربیت ہی ہوسکتی ہے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلم معاشرے میں شرح خواندگی سو فیصد ہوجائے،غربت کا خاتمہ ہو،سیاسی نظام مستحکم ہو،سماجی اقدار پر عمل ہو اور معاشی نظام کو یہودیوں کے زیر تسلط عالمی مالیاتی اداروں کے چنگل اور قرض کی مصیبت سے چھٹکارا دلایا جائے۔

یہ وہ رہنما خطوط ہیں جن پر عمل کر کے ہی مسلمان ماضی کی طرح اس ملک کو خوشحال بنا سکتے ہیں اور نفرت وتعصب کے اِس گھٹاٹوپ اندھیرے میں امن وسلامتی اور ترقی وخوشحالی کا سورج طلوع کر سکتے ہیں۔

پورے ملک میں اشتعال انگیز مسائل بشکل مصائب امت مسلمہ کے درمیان اٹھا کر دشمنان اسلام، اسلام کی شبیہہ کو داغدار کرنا چاہتے ہیں اور حامیان اسلام کے دلوں سے اسلامی تہذیب،اسلامی فکر کے ساتھ مسلمانوں کو غور وفکر اور تدبر کا موقع ہی نہیں دینا چاہتے بلکہ اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوجاتے ہیں اس لیے کہ ان کے پاس میڈیا کا سرکش گھوڑا ہے اس کی باگ انہیں کے ہاتھ میں ہے وہ جب چاہتے ہیں جہاں چاہتے ہیں اس کو موڑ دیتے ہیں۔

دشمنان اسلام کی ان شاطرانہ چالبازیوں کو دیکھنے کے بعد قرآن کریم کی آیت **وَلَنْ تَرْضیٰ عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلاَ النَّصَاریٰ حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ** (اور ہر گز راضی نہ ہونگے تجھ سے یہود اور نہ نصاری جب تک تو تابع نہ ہو ان کے دین کا) کی حقیقت اور کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ دشمنان اسلام ہر وقت اور ہر آن اسی سوچ اور فکر میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں سے ان کا دینی امتیاز اور ملی تشخص چھین لیں اور ان پر اپنا رنگ چڑھادیں تاکہ یہ صرف اور صرف نام کے مسلمان رہ جائیں،اسلام اور ایمان کی روح سے خالی ہوجائیں،وہ مسلمانوں سے بھی توقع رکھتے ہیں کہ وہ انھیں کا اتباع کریں،اور یہ باور کراتے ہیں کہ اسی میں ان کی فلاح ونجات اور

کامیابی وکامرانی ہے،لیکن دشمنان اسلام شاید یہ نہیں جانتے کہ مسلمانوں کا مطمح نظر دنیاوی فلاح وترقی ہی صرف نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود آخرت کی کامیابی اور وہاں کی کامرانی ہے اور یہ سب کچھ اسلام اور قرآن کے بتائے ہوئے دستور وقانون کو عمل میں لاکر ہی ہوسکتا ہے۔

ایسے حالات میں مسلمانوں کا دینی فریضہ بنتا ہے کہ وہ اپنے دین میں اور پختہ تر ہوجائیں،اغیار کے پیش کردہ نظام اور ان کی ظاہری چمک دمک سے ہرگز دھوکہ نہ کھائیں اس لئے کہ قرآن میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: قُلْ اِنَّ هُدَى اللهِ هُوَ الْهُدىٰ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَ ائَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لاَ نَصِيْر (تو کہہ دے جو راہ اللہ بتلادے وہی سیدھی راہ ہے اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے ان کی خواہشوں کی بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار) یعنی ان دشمنانِ اسلام کو دین حق سے کوئی سروکار نہیں انھیں تو بس اپنا ملی مفاد ہی مقصود ہے اور اسی کے لئے یہ تمام تر کوششیں ہیں،اس لئے ضروری ہے کہ آج مسلمان ان کی فریب کاریوں کو محسوس کریں اور اللہ کے عطا کردہ نظام یعنی اسلام اور قرآن کو ہی اپنے لئے لائحۂ عمل بنائیں اسی میں میں پوری امت کی فلاح ونجات ہے۔

حَسْبُنَا اللهُ وَ نِعْمَ الْوَ كِيْل نِعْمَ الْمَوْ لىٰ وَ نِعْمَ النَّصِيْر

ہوش مندی اور عقل وخرد کی بات تو یہ ہے کہ دشمن کی چال کو سمجھا جائے اس کے پینتروں سے واقف ہوا جائے، اشتعال میں آنے کے بجائے سنجیدگی سے اس پر غور کیا جائے کہ یہ مسئلہ ہمارے درمیان اٹھا کر ہمارا دشمن ہم سے کیا چاہتا ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ عقل مند آدمی ہمیشہ دشمن کی منشاء کے خلاف ہی کرتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ ہم اشتعال میں آکر اپنے دینی شعائر اور اسلامی احکام کو پس پشت ڈال دیں تو ہمیں چاہئے کہ دین اور اسلامی احکامات کی بجاآوری میں اور پختگی دکھائیں،ہمیں چاہئے کہ ہم اسلامی معاشرتی نظام میں اور تصلب اختیار کریں، اور یہ دشمنان اسلام تو کبھی ہم سے خوش ہو ہی نہیں سکتے ہاں اگر ان کے افکار ونظریات کی پیروی کی جائے، ان کا اتباع کیا جائے تو یہ خوش ہوں گے۔

خدارا اپنے حال کو درست کریں دشمنان اسلام کی چالوں کو محسوس کریں۔

درس قرآن

غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری

استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ۔ وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ (التوبة ۸۴۔۸۵)

اور جب ان میں سے کوئی مرجائے تو اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا، یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہوگئے اور مرتے دم تک بدکار رہے، اور ان کے مال ودولت کو للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھئے، اللہ کی چاہت یہی ہے کہ انھیں ان چیزوں کے ذریعے دنیا میں ہی سزا دے اور یہ اپنی روح نکلنے تک کافر ہی رہیں۔

شان نزول: یہ آیات شریفہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئیں۔

قصہ یہ ہوا کہ اس کے مرنے پر اس کے صاحبزادے حضرت عبداللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ میرے باپ کے کفن کے لئے خاص اپنا پہنا ہوا کرتا عنایت فرمادیجئے! آپ نے دے دیا۔ پھر درخواست یہ کی کہ آپ خود اس کے جنازے کی نماز پڑھا دیجئے! آپ نے یہ درخواست بھی منظور فرمالی اور جب نماز پڑھانے کے ارادے سے اٹھے تو حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کا دامن تھام لیا اور عرض کیا کہ حضور! آپ اس کے جنازے کی نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ جب آپ اس کی نماز کے لئے کھڑے ہوگئے تو میں (عمرؓ) صف میں سے نکل کر آپ کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا اور کہا: کہ کیا آپ اس دشمنِ خدا عبداللہ بن ابی کے

جنازے کی نماز پڑھائیں گے حالانکہ فلاں دن اس نے یوں کہا اور فلاں دن یوں کہا، اس کی کہی ہوئی بعض باتیں یاد دلائیں۔ حضور مسکراتے ہوئے سب سنتے رہے، آخر میں فرمایا: عمر! مجھے چھوڑ دے! اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے استغفار کا مجھے اختیار دیا ہے، اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا: کہ اگر تو ان کے لئے ستّر بار بھی استغفار کرے گا تو بھی اللہ تعالیٰ انھیں نہ بخشے گا، تو میں ستّر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا، حضرت عمرؓ فرمانے لگے یارسول اللہ! یہ تو منافق تھا، حضرت عمرؓ کے یہ سب عرض کرنے کے باوجود حضور ﷺ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی اور جنازے کے ساتھ بھی چلے، دفن میں بھی موجود رہے۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں: کہ اس کے بعد مجھے اپنی اس گستاخی پر بہت افسوس ہوا کہ خدا اور رسول خدا زیادہ علم والے ہیں، میں نے ایسی اور اس قدر جراءت کیوں کی! کچھ ہی دیر ہوئی ہوگی کہ یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں، اور آئندہ کسی بھی کافر یا منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا حکم ملا۔

ایک روایت میں خود عبداللہ بن ابی کی خواہش کا تذکرہ ہے کہ اس نے اپنی بیماری کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا، آپ تشریف لے گئے، اور فرمایا: کہ یہودیوں کی محبت نے تجھے تباہ کردیا۔ اس نے کہا یارسول اللہ! یہ وقت ڈانٹ ڈپٹ کا نہیں بلکہ میری خواہش ہے کہ آپ میرے لئے دعاء اور استغفار کریں، مرجاؤں تو مجھے اپنے پیرہن میں کفنائیں۔

ایک روایت میں اس کی وصیت کا تذکرہ ہے کہ وہ وصیت کرکے مرا تھا کہ اس کے جنازے کی نماز خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھائیں، اس کے لڑکے نے آکر حضور کو اس کی آرزو اور اس کی آخری وصیت کی خبر کی، اور یہ بھی کہا تھا کہ اس کی وصیت یہ بھی ہے کہ اسے آپ کے پیراہن میں کفنایا جائے۔ آپ نے اس لڑکے سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے بتایا: حُباب بن عبد اللہ۔ آپؐ نے فرمایا: حُباب شیطان کا نام ہے، تم عبد اللہ بن عبداللہ ہو۔ آپ اس کے جنازے کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حضرت جبرئیل یہ آیتیں لے کر اترے:

إن أبي احتضر و أحب أن تشهده و تصلي عليه، فقال له النبي صلى الله عليه و سلم: ما اسمك؟ قال: الحباب بن عبد الله قال: بل أنت عبد الله بن عبدالله، إن الحباب اسم شيطان، قال: فانطلق معه حتى شهده و ألبسه قميصه و صلى۔

تو یہ آیت موافقات عمر میں سے ہے۔

تشریح وتوضیح: مذکورہ بالا آیات شریفہ کے نزول سے پہلے کیونکہ منافقین کی نماز جنازہ اور دعا واستغفار کرنے کے لئے کسی آیت میں صراحتا ممانعت نہیں آئی تھی اس لئے بعض دینی مصالح کے پیش نظر آپ نے قمیص مبارک عطا کرنے، نماز پڑھانے کو ترجیح دی، مثلا عبداللہ ابن ابی کا آخری وقت ہے اور آخر وقت میں فاسق وفاجر گناہ سے توبہ کرلیتا ہے، اور بسا اوقات کافر بھی ایمان لے آتا ہے، ممکن ہے کہ یہ بھی توبہ کرلے اور ایمان لے آئے (اگر یہ خود اس کی خواہش اور درخواست کا قصہ ہو في رواية الكلبي :لما اشتكى عبد الله بن أبي بن سلول، عاده رسول الله صلّى الله عليه وسلّم، فطلب منه عبد الله أن يصلي عليه إذا مات، وأن يقوم على قبره، وأن يكفنه في القميص الذي يلي جسده، فقبل ذلك رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: بحر العلوم للسمرقندي)

نیز اس معاملہ میں اس کے خاندان کے کافروں کے ایمان لانے کی توقع بھی تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ اس کے ساتھ دیکھیں گے تو ایمان لے آئیں گے اور مسلمان ہوجائیں گے، یہی ہوا بھی کہ اس کے خاندان کے ہزاروں لوگ مسلمان ہوگئے (عَسَى أَنْ يُسْلِمَ بِسَبَبِ هذا القَمِيصِ خَلْقٌ كَثِيرٌ، وَلا يُغْنِيهِ قَمِيصٌ مِنْ عَذابِ الله شَيْئا فأسلم من بني الخزرج من أهاليه خلق كثير، وقالوا :لولا أن عبد الله عرفه حقاً، ما تبرك بقميصه، وما طلب منه أن يصلي عليه)

ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ عبداللہ ابن ابی کے لڑکے بذات خود ایک مخلص صحابی تھے ان کا اکرام ان کی دلجوئی ودل بستگی بھی منظور تھی (أَنَّ ابْنَهُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ، كَانَ مِنَ الصَّالِحِينَ، وَأَنَّ الرَّسُولَ أَكْرَمَهُ لِمَكَانِ ابْنِهِ)

بعض سلف سے وجہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ جب حضرت عباس غزوۂ بدر میں قید ہو کر آئے تو ان کے جسم پر کپڑا نہیں تھا اور اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ دراز قد، چوڑی چکلی ہڈی کے آدمی تھے اس لیے کسی کا کپڑا ان کے بدن پر فٹ نہیں آرہا تھا، عبداللہ بن ابی بھی لمبا، چوڑی چکلی ہڈی کا آدمی تھا اس نے اپنا کرتا دیا جو ٹھیک آگیا، اس کے بدلے میں آپ نے اسے اس کے کفن

کے لئے اپنا کرتا عطا فرمایا، تا کہ اس کے احسان کا بدلہ دنیا ہی میں چکا دیا جائے ۔(انَّ الْعَبَّاسَ عَمَّ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا أُخِذَ أَسِیرًا بِبَدْرٍ، لَمْ یَجِدُوا لَہُ قَمِیصًا، وَکَانَ رَجُلًا طَوِیلًا، فَکَسَاہُ عَبْدُ اللہِ قَمِیصَہ :تفسیر الکشاف)

مگر ان آیات میں چونکہ صراحتاً منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے، کفن دفن کا اہتمام و انتظام کرنے اور اس میں شرکت کرنے اور اس میں حصہ لینے کی ممانعت کر دی گئی، قیام علی القبر سے یہی مراد ہے (قام فلان بامر فلان اذا کفاہ امرہ. تفسیر الثعلبی) یا قیام علی القبر سے دفن کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر میت کے لئے استغفار اور اس کے لئے ثبات قدمی کی دعا کرنا مراد ہے کیونکہ حضور کی عادت مبارک تھی کہ میت کے دفن سے فارغ ہو کر وہیں اس کی قبر کے پاس ٹھہر کر حکم فرماتے کہ اپنے ساتھی کے لئے استغفار کرو، اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو اس سے اس وقت سوال و جواب ہو رہا ہے۔

ان دونوں کاموں سے اب منع کر دیا گیا ہے کیونکہ اس میں نہ تو نماز جنازہ پڑھنے والے، دعا و استغفار کرنے والے مؤمن کا فائدہ ہے اور نہ مرنے والے کافر و منافق کا، موت علی الکفر نے اس پر جہنمی ہونے پر مہر لگا دی ہے، اب کسی مؤمن کی دعا و استغفار حتی کہ افضل الانبیاء کا استغفار بھی اس کے کام آنے والا نہیں، جس کپڑے کا تانا بانا سیاہ دھاگے کا ہو اسے دنیا کا کوئی صابن، سرف، آلہ، کوثر و سلسبیل اور آب زمزم کا پانی بھی سفید نہیں کر سکتا۔

بآب زمزم و کوثر سفید نتوان کرد ... گلیم بخت کسی را کہ بافتند سیاہ

منافق کے لئے اب یہ کام لایعنی اور فضول ہے، چنانچہ اس کے نزول کے بعد آپ نے اور آپ کے صحابہ نے پھر کسی منافق کی نماز نہیں پڑھی، اور نہ ہی کسی کے کفن دفن میں شریک ہوئے۔

اس کے بالمقابل اگر میت مؤمن ہے تو نماز جنازہ اور دعا و استغفار مردوں کے لئے بھی نفع بخش ہے اور اس میں زندوں کے لئے بھی کامل اجر و ثواب ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جو جنازے میں جائے اور نماز پڑھی جانے تک ساتھ رہے اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک ساتھ رہے اسے دو قیراط ملتے ہیں، پوچھا گیا کہ قیراط کیا ہے؟ فرمایا: دو بڑے پہاڑوں کے برابر (کا ثواب)۔

عن ابِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلم قال: مَنْ شَهِدَ الْجِنَازَةَ حَتَّى يُصَلِّيَ عَلَيْهَا فَلَهُ قِيرَاطٌ، وَمَنْ شَهِدَهَا حَتَّى تُدْفَنَ فَلَهُ قِيرَاطَانِ. قِيلَ: وَمَا الْقِيرَاطَانِ؟ قَالَ: مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ۔ (رواہ مسلم: رقم: ۹۴۵)

ایک دوسری حدیث میں نمازِ جنازہ اور تدفین میں شرکت پر ثواب اس طرح بیان کیا گیا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مسلمان کے جنازہ میں ایمان کے ساتھ، رضائے الٰہی کی خاطر شرکت کرتا ہے اور نمازِ جنازہ و تدفین میں اخیر تک شریک رہتا ہے تو وہ دو قیراط کے برابر ثواب کے ساتھ واپس ہوتا ہے، ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر وزن رکھتا ہے، اور جو شخص صرف نمازِ جنازہ میں شامل ہوتا ہے، اور تدفین سے پہلے واپس آجاتا ہے وہ ایک قیراط ثواب کا حقدار ہو کر لوٹتا ہے۔

عن ابِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلم قال: من اتبع جنازة مسلم ايماناً و إحتساباً و كان معه حتى يصلى عليها و يفرغ من دفنها فانه يرجع من الأجرِ بقيراطين، كلُّ قيراطٍ مثلُ أُحدٍ و من صلىٰ عليها ثم رجع قبلَ أن تدفنَ فانه يرجع بقيراط (رواه البخاري: رقم ۴۷)

پیغام: علم بردار انسانیت؛ مذہب اسلام: غیر مسلموں سے تعلقات رکھنے، ان کے ساتھ حسن سلوک، ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کی اجازت دیتا ہے چنانچہ کسی غیر مسلم کے مرنے، آنجہانی ہونے پر اس کے گھر جا کر عزیز و اقارب سے تعزیت کرنا جائز ہے، اور تعزیت کے الفاظ یہ ہونے چاہیے (**أَخْلَفَ اللهُ عليكَ خيراً منه و أَصْلَحَكَ**) اللہ تمہیں اس کا بہتر بدل عطا فرمائے اور اصلاح فرمائے۔ (اصلاحِ حال سے یہاں توفیقِ اسلام مراد ہے۔)

مگر جیسا کہ معلوم ہے کہ ہر چیز کی ایک سیما و سرحد ہوتی ہے، غیروں سے تعلقات رکھنے اور ان کے غم میں شریک ہونے کی بھی اسلام نے یہ حد مقرر کی ہے کہ اپنے ایمان پر آنچ نہ آنے پائے، اور انسانی ہمدردی یا دیش بھگتی کے نشے میں مست و مخمور ہو کر، غیروں کے شعائر کو اختیار نہ کرے، غیروں کے شعائر کو اختیار کرنا خود کو خدا کی نظر میں مبغوض بنانا ہے، اس لئے جنازہ کے ساتھ ساتھ مرگھٹ جانا اور وہاں ان کی مذہبی رسومات چتا وغیرہ جلانے میں شرکت کرنا ناجائز ہے۔

انوارِ حدیث

والدین کے ساتھ حسن سلوک

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

عن عبد اللہ بن مسعود قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أی العمل أفضل؟ قال: الصلاۃ لوقتھا، قال قلت: ثم أی؟ قال: بر الوالدین، قال قلت: ثم أی؟ قال: الجھاد فی سبیل اللہ. . . (رواہ البخاری ۱؍۳۹۰ومسلم ۱؍۶۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وقت پر نماز پڑھنا، میں نے کہا اس کے بعد کون سا؟ آپؐ نے فرمایا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، میں نے کہا پھر کون سا؟ تو آپؐ نے فرمایا جہاد۔

اس حدیث شریف میں نماز کے بعد سب سے افضل عمل والدین کے ساتھ حسن سلوک کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ ماں باپ کو خوش اور راضی رکھنے سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوجاتا ہے، اور ماں باپ کو ناراض کرنے سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوجاتا ہے حدیث میں ہے:

عن عبداللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد۔ (رواہ الترمذی ۲؍۱۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا رب کی رضامندی باپ کی رضامندی میں ہے اور رب کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔

والدین کی خدمت واطاعت اوران کے ساتھ حسن سلوک کرنا سراسر نیکی اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا باعث تو ہے ہی؛ والدین کو محبت اور رحمت بھری نگاہوں سے دیکھنا بھی عظیم اجروثواب کا حامل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ما من ولد بار ینظر والدیہ نظرۃ رحمۃ إلا کتب اللہ بکل نظرۃ حجۃ مبرورۃ، قالوا وإن نظر کل یوم مائۃ مرۃ؟ قال: نعم، اللہ أکبر و أطیب۔ (رواہ البیہقی فی شعب ال إیمان ۱۸۶/۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والی اولاد جب بھی رحمت کی نظر سے (ماں باپ کو) دیکھے تو ہر نظر کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مقبول حج کا ثواب لکھ دیتے ہیں، صحابہ کرام نے عرض کیا اگر چہ روزانہ سو مرتبہ دیکھے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اللہ بہت بڑا ہے اور بہت زیادہ پاک ہے۔

ماں باپ کا وجود اور ان کا سایہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عظیم نعمت ہے کہ اس کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے، اور آدمی ان کے ساتھ جس قدر بھی حسن سلوک، خدمت اور اطاعت کا معاملہ کرے پھر بھی ان کی خدمت کا حق ادا نہیں ہوسکتا، لیکن آج دینی تعلیمات سے دوری کی بنا پر جہاں مسلم معاشرے میں زبردست اخلاقی انحطاط آیا ہوا ہے وہیں مغربی تہذیب وتمدن کی اندھی تقلید اور جدید تعلیم اور ترقی کے نام پر مادہ پرستی کے غلبہ نے رہی سہی کسر پوری کردی، اور انسانی واخلاقی اقدار کو اس طرح پامال کیا کہ محبت ومروت، ہمدردی وغمخواری، صلہ رحمی وایثار اور دوسرے کے حقوق کی رعایت جیسی صفات حمیدہ معاشرے سے عنقا ہوتی چلی جارہی ہیں، اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بڑوں کا ادب ولحاظ رہا نہ چھوٹوں پر شفقت اور نہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی، حتی کہ ماں باپ کی بھی ناقدری وحق تلفی کی جانے لگی، بلکہ کتنے مسلمان لڑکے اور لڑکیاں ہیں جو اپنے ماں باپ کے ساتھ بے ادبی، گستاخی اور بدسلوکی کے ساتھ پیش آتے ہیں اور کبھی اس سے بھی بڑھ کر والدین کے ساتھ گالی گلوچ اور مار پیٹ بھی کرنے لگتے ہیں اور اس طرح سے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی دنیا و آخرت دونوں برباد کرتے ہیں۔

کاغذ اور طباعت کی گرانی کے پیش نظر

مجلس ادارت ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور کے مشورہ کے بعد ماہِ اپریل ۲۰۲۲ء سے ماہنامہ کا سالانہ زرِتعاون/300 (تین سو روپئے) کردیا گیا ہے۔

دفتر سے کسی بھی طرح کی خط وکتابت کے لئے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

نشانِ راہ

اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی
جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

اللہ رب العزت کی صفاتِ عالیہ میں ایک بہت نمایاں صفت اللہ کی شانِ رحمت ہے، اسمائے حسنیٰ میں الرحمٰن اور الرحیم دونوں اسی صفت کے ترجمان ہیں اور ان میں اللہ کی رحمت کی کثرت، عموم، تسلسل اور دوام سب کی طرف اشارہ موجود ہے۔ قرآن مجید میں سیکڑوں مقامات پر اللہ نے اپنی صفتِ رحمت کا ذکر کیا اور حوالہ دیا ہے، تمام قرآنی سورتوں کے آغاز میں جو آیت تلاوت کی جاتی ہے اور تمام اہم کاموں کا آغاز جن مبارک کلمات سے کیے جانے کا حکم ہے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے، جس میں اللہ کے رحمٰن (سب پر مہربان) اور رحیم (بہت مہربان) ہونے کی صراحت ہے، قرآن میں مستقل ایک سورت سورۃ الرحمٰن کے نام سے موسوم ہے، جسے قرآن کی زینت قرار دیا گیا ہے، اس کا آغاز بھی صفتِ رحمٰن کے ذکر سے ہوا ہے اور پوری سورت میں ابتداء سے انتہاء تک اسی صفت کے ثمرات اور نمونوں کا بیان ہے، اس کے علاوہ بہت سے مقامات پر گناہ گاروں، گناہوں اور جہنم کی سزاوں کے ذکر کے بعد اللہ نے اپنے غفور اور رحیم ہونے کی صراحت فرمائی ہے اور کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رحمت کی نسبت کی ہے اور کئی جگہ اپنی رحمت کی وسعت کو بیان فرمایا ہے، اس حوالے سے ارشاد ہے: تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کا معاملہ لازم کرلیا ہے۔ (سورۃ الانعام ۵۴:) تمہارا رب بڑی وسیع رحمت کا مالک ہے۔ (سورۃ الانعام: ۱۴۷) میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔ (سورۃ الاعراف: ۱۵۶) تمہارا رب بہت بخشنے والا، بڑی رحمت والا ہے۔ (سورۃ الکہف: ۵۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اللہ کی شانِ رحمت کا تذکرہ مختلف پیرایوں میں بڑی کثرت سے ملتا ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ نے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے: میری رحمت میرے غضب پر غالب رہتی ہے۔ میری رحمت میرے غضب پر مقدم رہتی ہے۔ (صحیح مسلم)

مختلف احادیث میں یہ صراحت ملتی ہے کہ اللہ نے اپنی رحمت کے سو حصے فرمائے، اس میں ۹۹

حصے اپنے پاس عالمِ آخرت کے لیے روک لیے اور ایک حصہ دنیا میں بھیج دیا، انسانوں، جنوں، حیوانات میں باہم جو محبت، تعلق اور اُنس پایا جاتا ہے، وہ اسی ایک حصہ رحمت کا اثر ہے۔ (مسلم)

اللہ کی اسی شانِ رحمت کا مظہر ہے کہ اس نے اپنے احکام سے بغاوت کرنے والوں اور گناہوں میں مبتلا افراد کو توبہ واستغفار اور اپنی طرف رجوع کا حکم دیتے ہوئے انہیں ناامیدی سے نکالا ہے اور اپنی رحمت کی امیدوں کی ڈور انہیں تھما دی ہے، چناں چہ فرمایا: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے: اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، یقین جانو اللہ سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے، بس تم اپنے رب سے لو لگا لو۔ (سورۃ الزمر) تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاو۔ (سورہ یوسف)

واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی رحمت بہانے ڈھونڈتی ہے اور بسا اوقات بندوں کی بہت معمولی نیکیاں، بلکہ دل سے احساسِ ندامت، آنکھوں کے چند قطرے اور معافی کے بول اللہ کی رحمت کو جوش دینے میں کام یاب ہو جاتے ہیں اور ان ہی پر اللہ کی طرف سے تمام گناہوں کی مغفرت اور جنت و رحمت کا فیصلہ ہو جاتا ہے، احادیث میں جگہ جگہ ذکر آیا ہے کہ ایک بدکار عورت کو صرف پیاسے کتے کو پانی پلانے کے عمل پر اللہ کی طرف سے مغفرت عطا فرما دی گئی، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرما دی ہے: تم کبھی کسی نیک کام کو ہرگز حقیر اور معمولی نہ سمجھو۔ (ابوداود، اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار)

کسی نیکی کو معمولی سمجھنا اور اُسے چھوڑ دینا بے حد خطرناک بات ہے، بہت ممکن ہے کہ اسی نیکی کی وجہ سے اللہ کی رحمت متوجہ ہو جائے اور بیڑا پار ہو جائے، نیکیوں کو معمولی قرار دے کر اسے چھوڑنے کا خیال ڈالنا شیطان کی مکارانہ تدبیر ہے، اس دام میں پھنسنا بڑی نادانی ہے۔

ایک بزرگ جو بڑے محدث بھی تھے، جنہوں نے ساری عمر حدیث کی خدمت میں گزاری، جب ان کا انتقال ہو گیا تو کسی نے خواب میں ان کی زیارت کی اور ان سے پوچھا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ نے کیسا معاملہ فرمایا؟ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ بڑا عجیب معاملہ ہوا، وہ یہ کہ ہم نے تو ساری عمر علم دین اور حدیث کی خدمت میں گزار دی، اور درس وتدریس اور تصنیف اور وعظ وخطابت میں گزاری، تو ہمارا خیال یہ تھا کہ ان اعمال پر اجر ملے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کچھ اور ہی معاملہ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ ہمیں تمہارا ایک عمل بہت پسند آیا، وہ یہ کہ ایک دن تم حدیث شریف لکھ

رہے تھے، جب تم نے اپنا قلم دوات میں ڈبو کر نکالا تو اس وقت ایک پیاسی مکھی آ کر اس قلم کی نوک پر بیٹھ گئی اور سیاہی چوسنے لگی، تمہیں اس مکھی پر ترس آ گیا، تم نے سوچا کہ یہ مکھی اللہ کی مخلوق ہے اور پیاسی ہے، یہ سیاہی پی لے تو پھر میں قلم سے کام کروں، چناں چہ اتنی دیر کے لیے تم نے اپنا قلم روک لیا اور اس وقت تک قلم سے کچھ نہیں لکھا، جب تک وہ مکھی اس قلم پر بیٹھ کر سیاہی چوستی رہی، یہ عمل تم نے خالص میری رضامندی کی خاطر کیا، اس لیے اس عمل کی بدولت ہم نے تمہاری مغفرت فرمادی اور جنت الفردوس عطا کردی۔

دیکھیے! ہم تو یہ سوچ کے بیٹھے ہیں کہ وعظ کرنا، فتویٰ دینا، تہجد پڑھنا، تصنیف کرنا وغیرہ یہ بڑے بڑے اعمال ہیں، لیکن وہاں ایک پیاسی مکھی کو سیاہی پلانے کا عمل قبول کیا جارہا ہے اور دوسرے بڑے اعمال کا کوئی تذکرہ نہیں۔

حالاں کہ اگر غور کیا جائے تو جتنی دیر قلم روک کر رکھا، اگر اس وقت قلم نہ روکتے تو حدیث شریف ہی کا کوئی لفظ لکھتے، لیکن اللہ کی مخلوق پر شفقت کی بدولت اللہ نے مغفرت فرمادی، اگر وہ اس عمل کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دیتے تو یہ فضیلت حاصل نہ ہوتی۔

لہٰذا کچھ پتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا عمل مقبول ہوجائے، وہاں قیمت عمل کے حجم، سائز اور گنتی کی نہیں ہے، بلکہ وہاں عمل کے وزن کی قیمت ہے اور یہ وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے، اگر آپ نے بہت سے اعمال کیے، لیکن ان میں اخلاص نہیں تھا تو گنتی کے اعتبار سے تو وہ اعمال زیادہ تھے، لیکن فائدہ کچھ نہیں، دوسری طرف اگر عمل چھوٹا سا ہو، لیکن اس میں اخلاص ہو تو وہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا بن جاتا ہے، لہٰذا جس وقت دل میں کسی نیکی کا ارادہ پیدا ہورہا ہے تو اس وقت دل میں اخلاص بھی موجود ہے، اگر اس وقت وہ عمل کرلوگے تو اُمید ہے کہ وہ ان شاء اللہ مقبول ہوجائے گا۔

احادیث میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ ایک تاجر اللہ کے دربار میں حاضر ہوگا، اس کے اعمال نامے میں نیکیاں بالکل نہیں ہوں گی، مگر اس کے پاس ایک خاص عمل ہوگا کہ وہ کاروبار میں دوسروں کے لیے آسانیاں فراہم کرتا رہا، دوسروں کو قرض دیتا رہا، پھر تنگ دستوں کا قرض معاف کرتا رہا اور خوش حال لوگوں کے لیے بھی نرمی کا معاملہ کرتا رہا، جب اللہ کے سامنے اس کے اس عمل کا ذکر ہوگا تو اللہ کی رحمت جوش میں آئے گی اور اللہ اس کی مغفرت فرمادے گا۔ (بخاری، الاستقراض، حسن التقاضی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ ایک شخص کی پوری زندگی گناہوں میں گزرتی رہی، موت کا وقت آیا تو اس نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ میرا انتقال ہوجائے تو مجھے جلا دینا اور میری راکھ ہوا میں سمندر کے پاس بکھیر دینا، مجھے ڈر ہے کہ اللہ نے مجھے پکڑا تو ایسا عذاب دے گا، جیسا کسی کو نہ دے گا، بالآخر اس کی موت کے بعد اہلِ خانہ نے وصیت کے مطابق عمل کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے منتشر اجزا جمع فرمادیے اور اپنے دربار میں حاضر کیا اور فرمایا: تم نے جو وصیت کی تھی اس کی وجہ کیا تھی؟ وہ بولا: اے اللہ: صرف آپ کے خوف کی وجہ سے، یہ سن کر اللہ کی رحمت کو جوش آیا اور اللہ نے اس مجرم کی مغفرت فرمادی۔ (مسلم،التوبۃ،باب فی سعۃ رحمۃ اللہ)

حضرت ابوذرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے ایک عابد کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ عابد ساٹھ سال تک اپنے حجرے میں عبادت میں مشغول رہا، ایک دن کسی ضرورت سے باہر نکلا تو ایک عورت پر اس کی نگاہ پڑ گئی، وہ عابد اس عورت کے حسن پر فریفتہ ہوگیا اور اس سے زنا میں مبتلا ہوگیا، اب اسے بے حد ندامت ہوئی، توبہ کرتا رہا، اس کے پاس دو روٹیاں تھیں، بھوک لگی تو کھانے چلا، اچانک ایک سائل آ گیا، اس نے ایثار کیا اور وہ روٹیاں اس سائل کو دے دیں، کچھ عرصے بعد اس کا انتقال ہوگیا، اس کی ساٹھ سالہ عبادت زنا کے اس عمل کے مقابلے میں کم زور ثابت ہوئیں، وہ بے حد بے قرار ہوا، مگر آخر میں یہ ہوا کہ اس نے سائل کو دو روٹیاں جو دی تھیں، اللہ کو اس نیکی پر پیار آ گیا اور اسی عمل نے اس کی مغفرت کرادی۔ (الترغیب والترہیب)

روایات میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت دو بندوں کو بلائے گا اور ان سے فرمائے گا کہ تم نے دنیا میں بے شمار گناہ کیے ہیں، اب تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے، جاو! جہنم میں جاو، اس حکم کو سن کر ان میں سے ایک بہت تیزی سے جہنم کی طرف چل پڑے گا، دوسرا دھیرے دھیرے چلے گا اور بار بار مڑ کر اللہ کو دیکھے گا، اللہ تعالیٰ ان دونوں کو واپس بلائے گا اور پہلے شخص سے سوال کرے گا کہ میں نے تمھیں جہنم میں جانے کے لیے کہا، تم تیزی سے چل پڑے، اس کی کیا وجہ تھی؟

وہ بولے گا: اے میرے رب! میں نے دنیا میں آپ کا ہر حکم توڑا، اب آپ نے یہ آخری حکم دیا تو میں نے سوچا کہ اب یہ حکم نہیں توڑوں گا، اس لیے میں تیزی سے چل پڑا۔ اللہ دوسرے سے فرمائے گا: تم بار بار پیچھے مڑ کر کیوں دیکھ رہے تھے؟ وہ عرض کرے گا: آپ کی رحمت کی اُمید میں۔ بس یہ سن کر اللہ تعالیٰ دونوں سے راضی ہوجائے گا اور دونوں کے حق میں جنت کا فیصلہ فرمادے گا۔ (التذکرہ،قرطبی)

منقول ہے کہ: امام رازیؒ لکھتے ہیں: ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قبر پر سے گزر ہوا، آپ نے (بطور کشف) دیکھا کہ عذاب کے فرشتے میت کو عذاب دے رہے ہیں، آپ آگے چلے گئے، اپنے کام سے فارغ ہو کر جب آپ دوبارہ یہاں سے گزرے تو اس قبر پر رحمت کے فرشتے دیکھے جن کے ساتھ نور کے طبق ہیں، آپ کو اس پر تعجب ہوا، آپ نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی، اے عیسیٰ! یہ بندہ گناہ گار تھا اور جب سے مرا تھا، عذاب میں گرفتار تھا، یہ مرتے وقت اپنی بیوی چھوڑ گیا تھا، اس عورت نے ایک فرزند جنا اور اس کی پرورش کی، یہاں تک کہ وہ بڑا ہوا، اس کے بعد اس عورت نے اس فرزند کو مکتب میں بھیجا، استاذ نے اسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھائی، پس مجھے اپنے بندے سے حیا آئی کہ میں اسے آگ کا عذاب دوں زمین کے اندر اور اس کا فرزند میرا نام لیتا ہے زمین کے اوپر۔ (التفسیر الکبیر)

حضرت جنید بغدادیؒ کو وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو سوال کیا: حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ آپ نے کہا: سارے علوم وحقائق وغیرہ فنا ہو گئے، یہاں کچھ کام نہ آئے، اگر کچھ نیکیاں کام آئیں تو صرف وہ چھوٹی چھوٹی رکعتیں کام آئیں جو میں آدھی رات کو پڑھا کرتا تھا، یعنی نمازِ تہجد۔ (الافاضات)

ایک مجلس میں اللہ کی وسعتِ رحمت کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے آخر میں جو گناہ گار جہنم سے نکالا جائے گا، اس کی کیفیت یہ ہوگی کہ باہر نکل کر بھی اس کا رخ جہنم کی طرف رکھا جائے گا اور وہ جھلس رہا ہوگا، وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میرا رخ جہنم کی طرف سے ہٹا دیجیے، اس لیے کہ اس کی ہوا مجھے جھلسا رہی ہے اور اس کے شعلے مجھے جلا رہے ہیں۔ یہ سن کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اگر تمہارا رخ جہنم کی طرف سے ہٹا دیا جائے تو کیا پھر کوئی اور مطالبہ تو نہیں کرو گے؟ وہ قسم کھا کر عہد و پیمان کرے گا کہ اگر یہ سہولت مجھے دے دی جائے تو میں کچھ اور مطالبہ نہیں کروں گا۔ اب اس کا رخ جہنم سے ہٹا کر جنت کی طرف کر دیا جائے گا، اس کی نگاہ جنت کی نعمتوں اور رونقوں پر پڑے گی تو تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد بالآخر وہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے جنت کے دروازے کے قریب کر دیجیے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تھوڑی دیر پہلے تم یہ عہد و پیمان نہیں کر چکے ہو کہ اب کچھ اور مطالبہ نہیں کرو گے؟ وہ بندہ بولے گا: اے میرے رب: مجھے اپنی مخلوقات میں سب سے محروم و بدنصیب مت بنائیے۔ اللہ فرمائے گا: اگر تمہاری یہ بات مان لی جائے تو پھر کچھ اور تو مطالبہ نہیں کرو گے؟ وہ کہے گا: مجھے آپ کی عزت کی قسم! عہد کرتا ہوں کچھ اور مطالبہ نہیں کروں گا۔ پھر اسے جنت کے

دوروازے کے قریب پہنچادیا جائے گا، اب وہ قریب سے جنت کے مناظر اور نعمتوں کو دیکھے گا تو بے اختیار کہنے لگے گا: اے میرے رب! مجھے جنت میں داخل کردیجیے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے فرزند آدم! تعجب ہے، تو کتنا عہد شکن ہے، کیا تو نے یہ عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ تجھے جو کچھ دیا جاچکا ہے، اس کے سوا کچھ اور نہیں مانگے گا؟ اس پر وہ بندہ بولے گا: اے میرے رب! مجھے سب سے زیادہ محروم نہ بنائیے۔ یہ سن کر اللہ کی رحمت جوش میں آئے گی، اللہ ہنسے گا، راضی ہوجائے گا اور اسے جنت میں داخل ہونے کی اجازت عطا فرمادے گا اور اس پر بس نہیں، اللہ فرمائے گا: مزید تمنا کرو اور مانگو۔ وہ بندہ ساری تمنائیں رکھے گا، اللہ اپنی شانِ رحمت سے اسے بہت سی چیزیں یاد دلائے گا اور آخر میں فرمائے گا: تمہیں یہ سب کچھ ملے گا اور اس کا دس گنا مزید بھی ملے گا۔ (بخاری، کتاب الصلوۃ، باب فضل السجود)

واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی رحمت بے حد و بے پناہ ہے، وہ نیکیوں کے ارادے ہی پر اجر عطا کردیتا ہے، وہ ایک نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا بخشتا ہے اور اخلاص کے تناسب سے یہ ثواب بڑھتا جاتا ہے، حتیٰ کہ سات سو گنا تک پہنچادیتا ہے، پھر اس کی رحمت موج زن ہو تو جسے چاہتا ہے اس سے بھی کہیں زیادہ عطا فرماتا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں، میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے، تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے زیادہ بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں جو مجھ سے ایک بالشت قریب آتا ہے، میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں، جو مجھ سے ایک ہاتھ قریب آتا ہے، میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں، جو میرے پاس چلتا ہوا آتا ہے، میں اس کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہوں، جو شخص پوری روئے زمین کے برابر گناہ لے کر میرے پاس آئے گا، اگر وہ شرک سے بچتا رہا تو میں اپنی رحمت و مغفرت کی مکمل بارش اس پر برسادوں گا۔ (مشکوۃ، الدعوات، باب ذکر اللہ)

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد عاقل (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سبھاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

اصلاحِ حال

القاب کا استعمال اور ہماری بے اعتدالیاں!

محمد ندیم الدین قاسمی
مدرس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

اعتدال، دینِ اسلام ہی کا ''خاصہ''، اور ''امتِ محمدیہ'' کا ایک وصفِ امتیاز ہے، جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں مطلوب ہے، خواہ وہ عبادات ہوں یا عادات، جذبات ہوں یا افکار وخیالات؛ حتی کہ کسی کی مدح سرائی ہو یا کسی پر تنقید وتبصرہ؛ ہر ایک میں ''میانہ روی'' اور ''اعتدال'' کی تعلیم دی گئی ہے؛ لیکن آج ہم اپنے گردوپیش کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ تعریف وتنقید دونوں شعبوں میں عوام تو عوام، خواص کا ایک بڑا طبقہ افراط وتفریط کا شکار ہے، بعضوں نے تو کسی کی تعریف کو شجرِ ممنوعہ، فعلِ حرام اور معصیتِ رب سمجھ رکھا ہے، دوسروں کے محاسن ومحامد کا اظہار تو دور کی بات؛ اکابر کی معمولی خامیوں اور کوتاہیوں کو ان کی نظر فورا اچک لیتی ہے، اور خود ''ہم چوں دیگرے نیست'' کے خول میں بند ہیں؛ جب کہ حسنِ کارکردگی پر تعریف، جذبۂ عمل کو مہمیز کرتی ہے، تعریف سے حوصلے پروان چڑھتے ہیں، ہونہار اور قابل افراد کے ارادوں میں شبابی شان پیدا ہوتی ہے، اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہمیں اس کا سبق ملتا ہے؛ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا: **والذي نفسي بيده ما لقيك الشيطانُ قطّ سالكا فجا إلا سلك فجا غير فجك**۔ (صحیح مسلم ۲۳۹۶)

جب بھی شیطان تمھیں کسی راستہ میں ملتا ہے تو راستہ بدل لیتا ہے۔

اور حضرت علیؓ سے فرمایا تھا: **أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى، إِلَّا أَنَّهُ لا نَبِيَّ بَعْدِي**

تمہارا مقام میرے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے ہارونؑ کا مقام موسیٰؑ کے ساتھ تھا؛ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (صحیح بخاری ۳۷۰۶)

وہیں دوسری طرف تعریف وتوصیف بیان کرنے میں مبالغہ آرائیاں، کوہ پیما جملے، شاہانہ تعبیرات، مذہبی القابات میں آئے دن جو بے اعتدالیاں ہو رہی ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں، رائی کو پربت، قطرے کو

سمندر، ذرے کو پہاڑ بنا کر پیش کرنے کا تو مزاج عام سا ہو گیا ہے، جلسوں اور دیگر مجالس میں آئے روز علماء واکابر کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دئے جاتے ہیں، خواہ وہ ان تعریفات کے لائق ہوں یا نہ ہوں؛ مثلاً کسی کے لیے حجۃ الاسلام، تو کسی کے لیے شیخ الاسلام، کسی کے لیے شیخ الفقہ، تو کسی کے لیے شیخ الحدیث، کسی کے لیے مفتی اعظم، تو کسی کے لیے خطیب بے بدل، خطیبِ زماں، نمونۂ اسلاف، محققِ دوراں، محقق العصر، علامۃ العصر، محدث العصر، فقیہِ زماں، جامعِ علوم عقلیہ ونقلیہ، شیخ المشائخ، مفکرِ اسلام، رازیِ وقت، غزالیِ دوراں، شہنشاہِ خطابت، محقق علی الاطلاق، قطبِ لاریب، محدثِ اعظم، ولیِ کامل، کامل رہبرِ شریعت، ثانیِ جنیدؒ، مونسِ ہند وغیرہ وغیرہ۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب لفظی امانت داری کا ذرا بھی خیال نہیں، اور سوچتے ہیں کہ الفاظ اور جملوں کی بے اعتدالیوں پر کہاں سر قلم ہونے والا ہے؟

افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ بعض حضرات تو باقاعدہ اپنے حلقۂ احباب کو اس طرح بڑے بڑے القاب کا لاحقہ یا سابقہ اپنے نام کے ساتھ لگانے کی تاکید کرتے ہیں، اور القاب کے بغیر پکارے جانے پر بے التفاتی اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں؛ جب کہ احادیث شریفہ میں جہاں تعریف میں مبالغہ آرائی سے روکا گیا ہے، تو وہیں افراط پسند افراد کو روکنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔

۱۔إذا رأيتم المدّاحين فاحثوا في وجوههم التراب۔

جب تم کسی کو تعریف میں مبالغہ کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے چہرہ پر مٹی ڈال دو (مسند احمد)

۲۔خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتِ اقدس کے متعلق ارشاد فرمایا: لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ۔۔۔۔۔

لوگو! میری تعریف میں مبالغہ سے کام نہیں لینا، جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے متعلق مبالغہ آرائی کی تھی۔

۳۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں: سمع النبي صلى الله عليه وسلم يثني على رجل ويطريه في مدحه، فقال: أهلكتم أو قطعتم ظهر الرجل۔ (صحیح بخاری، کتاب الشہادات)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دوسرے شخص کی خوب بڑھا چڑھا کر تعریف کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: ''تم نے اس شخص کو ہلاک کر دیا'' یا فرمایا کہ ''تم نے اس کی کمر توڑ دی''۔

۴۔حضرت معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے: إیاکم و التمادح فانه الذبح۔ (سنن ابن ماجہ ۳۷۶۳)

''کسی کی تعریف میں مبالغہ آرائی سے بچو؛ اس لیے کہ ایسا کرنا اسے قتل کرنے کے مثل ہے۔

۵۔إني لا أريد أن ترفعوني فوق منزلتي التي أنزلنيها اللہ تبارک و تعالیٰ۔ (مسند أحمد)

میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ مجھے میرے اس مقام سے اوپر اٹھاو جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے رکھا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک سلسلۂ گفتگو میں بعض مخترع القاب کے متعلق فرمایا:

''خبر نہیں لوگ کس عبث اور فضولیات میں مبتلا ہیں، اس سے ان لوگوں کے مذاق کا پتہ چلتا ہے، کوئی شیخ الحدیث ہے، کوئی استاذ الحدیث، کوئی شیخ التفسیر، کوئی شیخ الجامعہ، یہ اس قسم کے جھگڑے ابھی شروع ہوئے ہیں۔ ہمارے بزرگوں میں تو ان چیزوں کا نام ونشان بھی نہ تھا، یہ سب جاہ طلبی ہے۔ اور سب سے زیادہ اچھی اور خوبی کی بات تو وہی ہے جو پہلے اپنے بزرگوں میں تھی : سادگی، اسی میں برکت ہے، ان چیزوں میں برکت کہاں، یہ سب نئی روشنی کا اثر ہے۔ (ملفوظ نمبر ۴۲۷: ۲۷۳، ملفوظات حکیم الامت)

تعریف میں مبالغہ آرائی کے نقصانات

تعریف میں غلو، ممدوح کے کبر وغرور میں مبتلا ہونے، خود فریبی کا شکار ہونے، اور دوسروں کو دھوکہ دینے کا سبب ہے، اس سے تمرد وسرکشی کی خو، ممدوح میں سر ابھارنے لگتی ہے، جو اس کے اخلاقی وروحانی موت کا یقینا پیش خیمہ ہے۔

اس لئے اب عوام بلکہ اہل علم کے لئے ضروری ہے کہ نہ تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لیں کہ تعریف کسی کی انا وخود پرستی کی غذا بن جائے اور نہ تعریف میں اتنی بخالت سے کہ ہمیشہ دوسروں کے عیوب ہی نظر آئیں؛ بلکہ اعتدال کے دامن کو ہر حال میں تھامے رکھیں۔ اللہ عمل کی توفیق دے، آمین۔

آئینِ ہند

بھارت میں ذاتی تحفظ قوانین

مولانا شمس الہدیٰ قاسمی

امارتِ شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ، بہار

تعارف

اپنے شہریوں کو کسی بھی قسم کے نقصان سے بچانا، ریاست کا بنیادی فرض ہے۔لیکن ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں کہ جہاں ریاستی امداد و معاونت دستیاب نہ ہو، یا ممکن ہے کہ ریاست کسی ناگزیر خطرے یا نقصان کے خلاف کسی فرد کی حفاظت کے لیے معاونت پر قادر ہی نہ ہو۔ایسی صورت حال میں ایک فرد کو ریاست کی طرف سے یہ حقوق حاصل ہوتے ہیں کہ وہ اپنی یا کسی اور کی جائیداد یا ذات کو فوری طور پر خطرے سے بچانے کے لیے طاقت کا استعمال کرے۔یہ حق ذاتی تحفظ یا نجی دفاع کا حق ہے۔

ذاتی تحفظ کا حق

فوجداری قانون میں بنیادی اصول ذاتی معاونت ہے۔ہر ملک کو چاہیے کہ وہ اپنے شہریوں کو اپنی جان، آزادی اور املاک کے تحفظ کے لیے ذاتی دفاع کا حق فراہم کرے۔یہ حق اپنے ساتھ بے شمار پابندیاں اور حدود بھی لاتا ہے۔اگرچہ ذاتی دفاع کا حق شہریوں کو اپنے دفاع کے لیے ایک ہتھیار کے طور پر دیا گیا تھا لیکن اکثر لوگ اپنے مذموم مقاصد کے لیے اس کا غلط استعمال کرتے ہیں۔

بھارت میں، تعزیرات ہند، 1860 کی دفعہ 96 سے لے کر 106 تک، فرد اور جائیداد کے ذاتی دفاع کے حق سے متعلق دفعات فراہم کرتی ہے۔ یہ حق صرف اس وقت استعمال کیا جا سکتا ہے جب کسی شخص کو سرکاری حکام کا سہارا میسر نہ ہو۔ان بنیادی اصولوں میں سے ایک جس پر ذاتی دفاع کا حق قائم ہے وہ استعمال کیے جانے والے دفاع کی معقولیت ہے۔

ذاتی دفاع کے حق کو استعمال کرنے کا دائرہ عمل خطرے کے اندیشے کی معقولیت پر منحصر ہے نہ کہ

حقیقی خطرے کی حد پر انحصار ہے۔

ہندوستان میں ذاتی تحفظ کے لیے قانونی دفعہ تعزیرات ہند کی دفعہ 96

یہ دفعہ ذاتی تحفظ میں انجام دی جانے والی چیزوں کے بارے میں بات کرتی ہے اور وضاحت کرتی ہے کہ ذاتی دفاع کے حق کے استعمال میں انجام دی جانے والی کوئی چیز جرم نہیں ہے۔

ذاتی دفاع کا حق کوئی جرم نہیں ہے، بل کہ حقیقت میں یہ دفاع میں کیا جانے والا ایک عمل ہے۔ دفعہ 96 کے تحت ذاتی دفاع کا حق مطلق نہیں ہے لیکن دفعہ 99 کے ذریعہ واضح طور پر تشریح کی گئی ہے کہ یہ حق کسی بھی صورت میں ذاتی دفاع کے مقصد سے زیادہ نقصان پہنچانے کے لیے نہیں ہے۔ شبوت کا بوجھ اس شخص پر ہے جو ذاتی دفاع کے حق کی درخواست کرتا ہے۔

چنانچہ اس حق کو کسی عمل کے جواز کے لیے ڈھال کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ آیا ملزم نے درحقیقت اس حق کے تحت عمل انجام دیا ہے، ہر معاملے کے حقائق اور حالات کو بہت احتیاط سے پرکھنے اور جانچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس حق کو استعمال کرتے ہوئے، ملزم کی طرف سے پیش کردہ مفروضوں کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ ذاتی دفاع کے حق کو استعمال کرنے کے لیے حملے کے امکان کے بارے میں ایک معقول اندیشہ موجود ہونا چاہیے۔

تعزیرات ہند کی دفعہ 97

دفعہ 97 جسم اور جائیداد کے ذاتی دفاع کے حق کے بارے میں بات کرتی ہے۔

ہر فرد کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے یعنی اپنے جسم یا کسی دوسرے شخص کے جسم کے دفاع کا حق ہر شخص کو حاصل ہے۔ اسی طرح اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جائیداد یا کسی اور کی جائیداد، چاہے وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ کسی ایسے فعل کے خلاف جو چوری، ڈکیتی، فساد، یا مجرمانہ مداخلت جیسے جرم کے مترادف ہو، کی حفاظت کرے۔

ذاتی دفاع کے حق کا مطالبہ کرنے والے شخص کے خلاف ضروری ہے کہ کسی جرم کا ارتکاب یا ارتکاب کرنے کی کوشش موجود ہو۔

ذاتی دفاع کے حق کے حصول کا فیصلہ کرنے کے لیے زیر بحث آدمی کو لگنے والی چوٹ کو ضروری نہیں

سمجھا جاتا ہے کہ ذاتی دفاع کے حق کو استعمال کرنے کے لیے شدید چوٹ کا معقول خدشہ بھی بالکل کافی ہوتا ہے۔

تعزیرات ہند کی دفعہ 98

یہ دفعہ ناقص و معذور دماغ جیسے شخص کے عمل کے خلاف ذاتی دفاع کے حق کے بارے میں بات کرتی ہے۔

ذاتی دفاع کا حق ان معاملات میں بھی موجود ہے جو معاملات ناقص شعور، دماغ کی بے حسی، یا جرم کرنے والے شخص کا نشہ، یا اس شخص کی طرف سے کسی غلط فہمی کی وجہ سے جرم ثابت نہیں ہوتے۔

تعزیرات ہند کی دفعہ 99

دفعہ 99 ذاتی دفاع کے حق کے استعمال کو محدود کرتا ہے۔ یہ ان مختلف شرائط کو بیان کرتا ہے جن کے تحت ذاتی دفاع کے حق کو استعمال کیا جاتا ہے یا اس کی فریاد کی جاتی ہے۔

دفعہ 99 کی پہلی تین شقیں بیان کرتی ہیں کہ اس حق کو اس وقت استعمال نہیں کیا جاسکتا جب: ایک سرکاری ملازم جو موت یا شدید چوٹ کے معقول خدشے کو جنم دئے بغیر نیک نیتی کے ساتھ کام کرتا ہے اور اپنی قانونی ذمہ داری کو ادا کرتا ہے۔

کوئی بھی شخص جو کسی سرکاری ملازم کی ہدایت پر موت یا شدید چوٹ کے معقول اندیشے کو جنم دئے بغیر نیک نیتی کے ساتھ کام کرتا ہے وہ اپنی قانونی ذمہ داری کو ادا کرتا ہے۔

تعزیرات ہند کی دفعہ 100

دفعہ 100 سات حالات کو بیان کرتی ہے جن میں جسم کے ذاتی دفاع کے حق کے استعمال میں موت کا سبب بننے کی گنجائش ہے۔

جسم کے ذاتی دفاع کا حق حملہ آور کی قصداً ہلاکت کا سبب بننے یا کوئی دوسرا نقصان پہنچانے کی گنجائش دیتا ہے اگر جرم کی نوعیت نیچے بیان کی گئی نوعیت کے مطابق ہے:

اس طرح کا حملہ ہو جو معقول طور پر موت کے اندیشے کا سبب بن سکتا ہے۔

اس طرح کا حملہ ہو جو معقول طور پر شدید چوٹ کے اندیشے کا سبب بن سکتا ہے۔

عصمت دری کرنے کی نیت سے حملہ ہو۔

غیر فطری ہوس کی تسکین کے ارادے سے حملہ ہو۔

اغوا کی نیت سے حملہ ہو۔

کسی شخص کو غلط طریقے سے قید کرنے کے ارادے سے حملہ ہو جس کی وجہ سے وہ معقول طور پر یہ سمجھے کہ وہ اپنی رہائی کے لیے عوامی حکام سے تحفظ نہیں لے سکے گا۔

تیزاب پھینکنے کا عمل یا کوشش ہو۔

تعزیرات ہند کی دفعہ 101

یہ دفعہ ذاتی تحفظ کے حق کو موت کے علاوہ کسی بھی طرح کا ضرر پہنچانے کی گنجائش دیتی ہے۔

اگر جرم اس نوعیت کا نہیں ہے جس کا ذکر اوپر کی دفعہ میں کیا گیا ہے، تو ذاتی دفاع کے حق کا استعمال حملہ آور کی ہلاکت کا سبب بننے کی گنجائش نہیں دیتا ہے، مگر حملہ آور کی موت کے علاوہ کسی بھی طرح کا عمداً ضرر پہنچانے کی گنجائش دیتا ہے۔

تعزیرات ہند کی دفعہ 102

دفعہ 102 جسم کے ذاتی دفاع کے حق کے نفاذ اور اسے جاری رکھنے سے متعلق ہے۔

جیسے ہی جرم کے ارتکاب کی کوشش یا کسی دھمکی کی وجہ سے جسم کو خطرے کا معقول اندیشہ پیدا ہوتا ہے (اگرچہ اس جرم کا ارتکاب نہ ہوا ہو) ذاتی دفاع کے حق کا نفاذ شروع ہو جاتا ہے۔ اور یہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک جسم کو خطرے کا اندیشہ رہتا ہے۔ یہ خدشہ حقیقی اور معقول ہونا چاہیے۔

تعزیرات ہند کی دفعہ 103

یہ دفعہ جائیداد کے ذاتی تحفظ کے حق کو موت کا سبب بننے کی گنجائش فراہم کرتی ہے۔

جب کہ دفعہ جسم کے ذاتی دفاع کے حق کے استعمال کو ہلاکت کا سبب بننے کی گنجائش فراہم کرتی ہے۔

جائیداد کا ذاتی تحفظ کا حق بھی ہلاکت کی گنجائش دیتا ہے جب عمداً کسی جرم کی صورت میں کوئی نقصان پہنچا ہو۔ بشرطیکہ ایسا جرم درج ذیل نوعیتوں کی شکل میں ہو، یعنی:

ڈکیتی ہو۔

رات کے وقت گھر میں نقب زنی ہو۔

کسی عمارت، خیمہ، کشتی یا بڑا ڈبہ جسے انسانی رہائش کے طور استعمال کیا جا رہا ہو، یا جائیداد کی تحویل

کے لیے جگہ کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہو، کو آگ لگا کر نقصان پہنچانا۔

چوری، ایذا رسانی، یا گھر پر ناجائز قبضہ کرنا۔

تعزیرات ہند کی دفعہ 104

اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ کسی جرم کا ارتکاب کرنے یا کرنے کی کوشش اپنے دفاع کے حق کے استعمال کا باعث بنتا ہے، تو اس طرح کا حق عمداً ہلاکت کا سبب بننے کی گنجائش نہیں دیتا ہے، بل کہ نقصان پہنچانے والے کو موت کے علاوہ کسی دوسرے قسم کا عمداً نقصان پہنچانے کی گنجائش دیتا ہے بشرطیکہ یہ جرم کسی دوسری نوعیت کا نہ ہو جیسا کہ سابقہ دفعہ میں بیان کیا گیا ہے۔

تعزیرات ہند کی دفعہ 105

دفعہ 105 جائیداد کے ذاتی تحفظ کے حق کی ابتدا اور اسے جاری رکھنے کی ہدایت دیتا ہے۔

جائیداد کے ذاتی تحفظ کے حق کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب جائیداد کو خطرے کا معقول اندیشہ درپیش ہو۔

چوری کے خلاف حق دفاع کا نفاذ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ مجرم جائیداد واپس نہ کردے یا پھر جائیداد اس سے واپس نہ لے لی جائے۔

ڈکیتی کے خلاف ذاتی دفاع کے حق کا نفاذ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک مجرم کسی بھی شخص کی موت یا چوٹ کا سبب بنتا ہے یا اس کی کوشش کرتا ہے۔

تعزیرات ہند کی دفعہ 106

یہ دفعہ اس جان لیوا حملے کے خلاف ذاتی دفاع کے متعلق گفتگو کرتی ہے جب کسی بے گناہ کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔

موت کا معقول خدشہ پیدا کرنے والے کسی حملے کے خلاف کسی شخص کی طرف سے ذاتی دفاع کے حق کے استعمال میں اگر محافظ کسی بے گناہ شخص کو نقصان پہنچنے کے خطرے کے بغیر ذاتی دفاع کو مؤثر طریقے پر استعمال کرنے پر قادر نہیں ہے تو ذاتی دفاع کا حق اس خطرے کو مول لینے کی گنجائش دیتا ہے۔

رکاوٹ وہ شک ہے جو محافظ کے ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ وہ اپنا حق دفاع استعمال کرنے کا حق

رکھتا ہے خواہ اس کے عمل سے بعض بے گناہوں کو نقصان پہنچنے کا امکان ہو۔ اس دفعہ کے مطابق، کسی حملے کی صورت میں جس سے موت کا معقول اندیشہ موجود ہو، اگر محافظ کو ایسی صورت حال کا سامنا ہو جائے جس میں کسی بے گناہ کو نقصان پہنچنے کا بھی خطرہ ہو، تو اس پر اپنے دفاع کا حق استعمال کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے، اور وہ اس خطرے کو مول لینے کا حقدار ہے۔

نتیجہ

ذاتی دفاع کا حق ہندوستانی شہریوں کے ہاتھ میں اپنے دفاع کے لیے ایک بڑا ہتھیار ہے لیکن اکثر اسے بہت سے لوگ برے مقاصد یا غیر قانونی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ عدالت کا فرض ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ حق کا استعمال نیک نیتی سے ہوا ہے یا نہیں۔

ذاتی دفاع کے حق سے استفادہ کرنے کی حد خطرے کے حقیقی اندیشے پر منحصر ہے نہ کہ موجود خطرے پر۔ اس حق کے استعمال کی صرف کچھ حالات میں ایک خاص حد تک گنجائش ہو سکتی ہے۔ استعمال کی جانے والی طاقت کی مقدار صرف حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری مقدار میں ہونی چاہیے۔

علمی تحقیق

گذشتہ سے پیوستہ

خروجِ "یاجوج ماجوج" کے بارے میں اِسلامی عقیدہ

قرآن وحدیث کی تصریحات اور اہلِ حق کی تحقیقات کی روشنی میں

مولانا محمد معاویہ سعدی

استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

اب وہ دیوار کس حال میں ہے؟ آیا منہدم ہو چکی ہے، یا باقی ہے؟

قرآنِ کریم کے حوالے سے یہ بات پہلے آچکی ہے کہ

"قربِ قیامت میں جب رب کے وعدہ کا وقت آجائے گا اُس وقت سدّ ذوالقرنین بحکمِ الٰہی منہدم ہو جائے گی، اور یاجوج ماجوج کے نکلنے کی راہ بھی ہموار ہو جائے گی"۔

اَب "قربِ قیامت" سے کیا مراد ہے؟ اور "رب کے وعدہ" کا وقت کون سا ہے؟ اِس کو مندرجہ ذیل روایات سے سمجھا جاسکتا ہے :

بخاری ومسلم میں ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا (اور دیگر بعض صحابہ سے بھی) مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو رہا تھا، اور آپ کی زبان مبارک پر یہ جملے تھے :

"لا إله إلا الله، ويل للعرب، من شر قد اقترب، فتح اليوم من ردم يأجوج ومأجوج مثل هذه"، وحلّق بإصبعه الإبهام والتي تليها۔

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، خرابی ہے عرب کی اس شر سے جو قریب آچکا ہے، آج کے دن یاجوج وماجوج کی رَدم (سدّ) میں اتنا سوراخ کھل گیا ہے"، اور آپ نے (عقدِ تسعین) انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھلایا)۔

اِس سے معلوم ہوا کہ "قربِ قیامت" اور "وعدۂ ربانی کے وقت" سے مراد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: "بُعِثتُ أنا والساعةُ كهاتين؛ ويقرُن بين

إصبعيه:السبابة والوسطی (کہ مجھے اِس طرح قیامت کے ساتھ ساتھ بھیجا گیا ہے جیسے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی)۔

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ”قرب“ (نزدیکی) اور ”بُعد“ (دوری) اضافی اور نسبتی اشیاء میں سے ہیں، جس سیاق سباق میں یہ الفاظ بولے جاتے ہیں اُسی اعتبار سے ان کے معنی کا تعین ہوتا ہے، چوں کہ جب سے یہ کائناتی نظام قائم ہے، اور اس میں نوعِ بنی آدم کا یہ ہزاروں سالہ سلسلہ جاری ہے، اُس کے لحاظ سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت یقیناً بالکل آخر میں، قیامت کے بہت قریب ہوئی ہے۔

اس لحاظ سے آپ کے زمانہ میں دیوار کے انہدام (یا بوسیدگی) کی ابتداء بلاشبہ قربِ قیامت ہی میں ہوئی ہے، اور اُس دیوار کے بارے میں قرآن مجید میں یہ جو کہا گیا ہے: {فَمَا اسۡطَاعُوا أَنۡ يَظۡهَرُوهُ وَمَا اسۡتَطَاعُوا لَهُ نَقۡبًا} [الکهف] (سو [وہ دیوار ایسی ہوگئی کہ] نہ تو [یاجوج وماجوج] اُس پر چڑھ سکتے تھے، اور نہ اُس میں نقب ہی لگا سکتے تھے) تو اس کا تعلق ماضی سے ہے، مستقبل سے نہیں ہے کہ آئندہ بھی نہ توڑ سکیں گے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

> اس سدِ ذوالقرنین کے تاقیامت باقی رہنے پر بڑا اِستدلال قرآن کریم کے اس لفظ سے کیا جاتا ہے: {فَإِذَا جَاءَ وَعۡدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ} یعنی ذوالقرنین کا یہ قول کہ جب میرے رب کا وعدہ آپہنچے گا (یعنی خروجِ یاجوج وماجوج کا وقت آجائے گا) تو اللہ تعالیٰ اس آہنی دیوار کو ریزہ ریزہ کرکے زمین کے برابر کردیں گے۔

اس آیت میں وَعۡدُ رَبِّیۡ کا مفہوم ان حضرات نے قیامت کو قرار دیا ہے، حالاں کہ الفاظِ قرآن اس بارے میں قطعی نہیں، کیونکہ ”وعدربی“ کا صریح مفہوم تو یہ ہے کہ یاجوج وماجوج کا راستہ روکنے کا جو انتظام ذوالقرنین نے کیا ہے یہ کوئی ضروی نہیں کہ ہمیشہ اسی طرح رہے، جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ ان کا راستہ کھل جائے تو یہ دیوار منہدم ومسمار ہوجائے گی، اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ بالکل قیامت کے متصل ہو، چنانچہ تمام حضرات مفسرین نے ”وعدرب“ کے مفہوم میں دونوں احتمال ذکر کیے ہیں، تفسیر ”البحر المحیط“ میں ہے: والوعد يحتمل أن يراد به يوم القيامة، وأن يراد به وقت خروج يأجوج ومأجوج“۔

مزید فرماتے ہیں:

> ”خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں کوئی ایسی دلیل صریح اور قطعی نہیں ہے جس سے یہ ثابت

ہو کہ سدّ ذوالقرنین قیامت تک باقی رہے گی، یا ان کے ابتدائی اور معمولی حملے قیامت سے پہلے اِس طرف کے انسانوں پر نہیں ہوسکیں گے، البتہ وہ انتہائی خوفناک اور تباہ کن حملہ جو پوری انسانی آبادی کو برباد کردے گا اس کا وقت بالکل قیامت کے متصل وہی ہوگا، جس کا ذکر بار بار آچکا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص کی بناء پر نہ یہ قطعی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ سد یاجوج وماجوج ٹوٹ چکی ہے اور راستہ کھل گیا ہے، اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ازروئے قرآن وسنت اس کا قیامت تک قائم رہنا ضروری ہے، احتمال دونوں ہی ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال"۔

مسند احمد (۱۰۶۳۲)، ترمذی (۳۱۵۳)، اور ابن ماجہ (۴۰۸۰) وغیرہ کی ایک طویل روایت میں سدّ یاجوج ماجوج سے متعلق مزید کچھ تفصیل ملتی ہے :

حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یاجوج وماجوج ہر روز سد ذوالقرنین کو کھودتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس آہنی دیوار کے آخری حصہ تک اتنے قریب پہنچ جاتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے لگے، مگر یہ کہہ کر لوٹ جاتے ہیں کہ باقی کو کل کھود کر پار کردیں گے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو پھر ویسا ہی مضبوط درست کردیتے ہیں، اور اگلے روز پھر نئی محنت اس کے کھودنے میں کرتے ہیں، کھودنے میں محنت کا اور پھر منجانب اللہ اس کی درستی کا یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہے گا جس وقت تک یاجوج وماجوج کو بند رکھنے کا ارادہ ہے، اور جب اللہ تعالیٰ ان کو کھولنے کا ارادہ فرمائیں گے تو اس روز جب محنت کر کے آخری حد میں پہنچادیں گے اس دن یوں کہیں گے کہ اگر اللہ نے چاہا تو ہم کل اس کو پار کرلیں گے (اللہ کے نام اور اس کی مشیت پر موقوف رکھنے سے آج توفیق ہوجائے گی)، تو اگلے روز دیوار کا باقی ماندہ حصہ اپنی حالت پر ملے گا اور وہ اس کو توڑ کر پار کرلیں گے۔

یہ حدیث بہت قوی ہے، سند اس کی جید ہے، ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کرکے "حسن غریب، لا نعرفه إلا من هذا الوجه" فرمایا ہے، ابن حبان (۶۸۲۹)، حاکم (۴/۴۸۸) وغیرہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس کی صحت کی تائید فرمائی ہے ("فتح الباری" ۱۳/۱۰۹)۔

لہٰذا جن حضرات نے اس کو کعب اَحبار کا افسانہ قرار دینے کی کوشش کی ہے، وہ اصولِ حدیث کے لحاظ سے سخت محل اشکال ہے، اِس لیے کہ ایک صحیح سند سے ثابت روایت کو، ایک نہایت کمزور سند سے مجروح کرنا، اور معلول قرار دینا، نقل وعقل دونوں کے خلاف ہے۔

اور جن حضرات نے اس روایت کو قرآن کے معارض سمجھ کر، متن کے اعتبار سے مخدوش قرار دینے کی کوشش کی ہے، وہ بھی بڑی جرات اور جسارت کی بات ہے، کیوں کہ اس کے اندر قرآنی بیان سے تو کوئی تعارض ہی نہیں ہے، بلکہ بقول حافظ ابن کثیرؒ: اس کا مطلب یہ ہے کہ یاجوج وماجوج کا رَدْم کو کھودنے کا یہ عمل باذنِ الٰہی اس وقت شروع ہوگا، جب کہ ان کے خروج کا وقت قریب آجائے گا، اور قرآنی اِرشاد کہ اس دیوار میں نقب نہیں لگائی جاسکتی: یہ اس وقت کا حال ہے جبکہ ذوالقرنین نے اس کو تعمیر کیا تھا، اس لیے کوئی تعارض نہ رہا۔ (البدایۃ والنہایۃ ۲/ ۵۵۸، ومعارف القرآن)۔

البتہ اس روایت کے اندر اگر کوئی معنوی خدشہ پایا جاتا ہے تو وہ صرف یہ کہ پہلی روایت میں یہ آیا تھا کہ رَدْمِ یاجوج ماجوج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ایک حلقہ کے برابر سوراخ ہوگیا تھا، اور اس روایت کے ظاہر سے پتہ چل رہا ہے کہ یکبارگی اتنا بڑا دہانہ کھل جائے گا جس سے وہ پوری قوم باہر آجائے گی۔

مگر اس مشکل کا حل ''فتح الیوم من ردم یأجوج و مأجوج ھکذا'' والی حدیث کی شرح میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے اِس جملے سے نکالا جاسکتا ہے:

''اور سد یاجوج و ماجوج میں بقدرِ حلقہ سوراخ ہوجانا اپنے حقیقی معنی میں بھی ہوسکتا ہے، اور مجازی طور پر سد ذوالقرنین کے کمزور ہوجانے کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے''۔

پس اگر سوراخ ہوجانے کو، کمزور ہوجانے کے معنی میں لے لیا جائے تو پھر مضمونِ قرآنی میں اور دونوں روایتوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہ جاتا، اور سیدھا سادا مطلب یہ سامنے آتا ہے کہ جب یہ سدّ تعمیر کی گئی تھی اُس وقت نہایت مضبوط و مستحکم اور ناقابلِ تسخیر تھی، مگر اَب میرے زمانے میں یہ بوسیدہ ہوچکی ہے، اور قیامت کے اور قریب منہدم ہوکر ریزہ ریزہ ہوجائے گی۔

اور اگر علامہ کشمیریؒ کی یہ توجیہ بھی پیشِ نظر رکھی جائے تو مسئلہ اور بھی بے غبار ہوجاتا ہے کہ ایک تو ہے اندکاکِ سدّ (اِنہدامِ دیوار)، دوسرے ہے یاجوج ماجوج کا خروجِ موعود۔

لہٰذا ایسا ہوسکتا ہے کہ دونوں میں کچھ فاصلہ ہوجائے، جیسے کہ علاماتِ قیامت میں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات، فتحِ بیت المقدس، اور فتحِ قسطنطینیہ کا ذکر آتا ہے، مگر اِن تینوں کا آپسی فاصلہ معلوم ہے! تو اسی طرح ایسا ہوسکتا ہے کہ اندکاکِ سدّ (اِنہدامِ دیوار) یہ الگ علامت ہو، اور خروجِ موعود یہ مستقل علامت ہو، دونوں میں اتصال ضروری نہیں۔

پس قرآنی بیان کہ دیوار اُس وقت اِتنی مستحکم تھی کہ اُن کے لیے ناقابلِ تسخیر تھی، یہ اپنی جگہ

درست، اور پہلی حدیث کا مضمون کہ آج رَدم میں ایک حلقہ کے برابر سوراخ ہوگیا، وہ اپنی جگہ صحیح، اور اِس حدیث کی پیشین گوئی کہ آئندہ اِس طرح پورے طور پر کھود کر باہر آجائیں گے، یہ اپنی جگہ ٹھیک۔ واللہ تعالیٰ اعلم، وعلمہ أتم وأحکم۔

فائدہ: اِس دوسری حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجرؒ نے بحوالہ علامہ قاضی ابن العربی مالکیؒ بیان فرمایا ہے کہ اس حدیث میں تین آیاتِ الٰہیہ (معجزات) ہیں:

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذہنوں کو اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا کہ سد کو کھودنے کا کام رات دن مسلسل جاری رکھیں، ورنہ اتنی بڑی قوم کے لیے کیا مشکل تھا کہ دن اور رات کی ڈیوٹیاں الگ الگ مقرر کر لیتے۔

دوسرے ان کے ذہنوں کو اس طرف سے پھیر دیا کہ اس سد کے اوپر چڑھنے کی کوشش کریں، اور اس کے لیے آلات سے مدد لیں، حالانکہ وہب بن منبہ کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صاحبِ زراعت وصناعت ہیں، ہر طرح کے آلات رکھتے ہیں، ان کی زمین میں درخت بھی مختلف قسم کے ہیں، کوئی مشکل کام نہ تھا کہ اوپر چڑھنے کے ذرائع ووسائل پیدا کر لیتے۔

تیسرے یہ کہ ساری مدت میں ان کے قلوب میں یہ بات نہ آئے کہ ''ان شاء اللہ'' کہہ لیں، صرف اس وقت یہ کلمہ ان کی زبان پر جاری ہوگا جب ان کے نکلنے کا وقتِ مقرر آجائے گا۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بھی انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہنچ چکی ہے، اسی لیے وہ لوگ فی الجملہ اللہ کے وجود اور اس کے ارادہ ومشیت کے قائل ہیں، اگرچہ صرف اتنا عقیدہ ایمان کے لیے کافی نہیں، جب تک رسالت اور آخرت پر ایمان نہ ہو، پھر ''ان شاء اللہ'' کا کلمہ کہنا باوجود کفر کے بھی بعید نہیں (ملخص از: معارف القرآن)۔

کیا یاجوج ماجوج کا خروجِ موعود ہو چکا ہے؟

گذشتہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہو چکی کہ ''وعدۂ ربانی'' سے مراد قربِ قیامت کا وقت ہے، اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ قربِ قیامت کی ابتدا نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہو چکی ہے، اور اسی وقت سے اُس آہنی دیوار میں دراڑیں بھی پڑنی شروع ہو گئی ہیں۔

مگر کیا یاجوج ماجوج بھی اَب نکل چکے ہیں؟ یا ان کے خروجِ موعود کا وقت اَبھی نہیں آیا؟

اِس سؤال کے جواب میں ہم پہلے متعلقہ نصوص پیش کر کے ان شاء اللہ اگلی قسط میں ان کی وضاحت پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

حالاتِ حاضرہ

ملک کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں

رفیع الدین حنیف قاسمی

رفیق تصنیف دارالدعوۃ والارشاد یوسف گوڑہ، حیدآباد

ملک کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کے خلاف جو تدبیریں کی جارہی ہیں، مختلف حیلوں حوالوں سے مسلمانوں کا گھیرا تنگ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، ان حالات میں ظاہری اسباب کے ساتھ ساتھ باطنی احوال، اللہ کی طرف رجوع، اللہ سے محبت، اعمال کی طاقت کی سخت ضرورت ہے۔

اسلامی تاریخ میں جن وجوہات سے مسلمانوں نے اپنی گذری ہوئی شرافت اور قوت کو حاصل کیا تھا، آج بھی انہیں ذرائع سے ہماری قوت وطاقت کو بحال کیا جاسکتا ہے، سارے اسباب اپنی جگہ مسلم ہیں ؛جب تک اللہ کی طرف رجوع نہ کیا جائے ، اللہ کی مدد اور نصرت نہیں آسکتی۔

اللہ عزوجل قرآن شریف میں فرماتے ہیں:

یا أیها الذین آمنوا إذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا الله کثیرا لعلکم تفلحون، وأطیعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم، واصبروا إن الله مع الصابرین (الانفال ۴۵،۴۶)

اس آیت کریمہ میں اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل طے کیا ہے جس کی روشنی میں کامیابی وکامرانی کی منزل مقصود تک پہنچا جاسکتا ہے۔

۱— ثبات قدمی (فاثبتوا) مضبوطی سے اپنے حق پر جم جانا، کسی بات سے بھی دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ ہونا، دینی تشخص کے ہر جزئیہ پر مضبوطی سے جمنا، اور دشمن سے ہر طرح کے مقابلہ میں ثابت قدمی دکھانا۔ کسی بھی قیمت پر ہم اپنے دین، ایمان، تشخص، ایمان ایقان کسی بھی چیز سے دست بردار نہ ہوں گے اسی ایقان کا نام ''ایمان'' ہے جو مسلمان کو دائرہ اسلام میں داخل کرتا ہے، جو اس کو اس کی ساری زندگی میں

قوت بہم پہنچاتا ہے، ذات الٰہی سے ایسا مضبوط تعلق کرواتا ہے، کوئی بھی کمزور طاقت کے سامنے سینہ سپر نہیں ہوسکتا، وہ ہر دم اللہ کی یاد میں مست آگے بڑھتا جاتا ہے، پیچھے پلٹنے اور لوٹنے کا سوال ہی نہیں ہوتا، اس کی منزل جنت ہے وہ پیچھے کیوں مڑ کر دیکھے، وہ راہِ حق وایقان کا مسافر ہوتا ہے، اس کی منزل مقصود دنیا اور اس کی فانی لذتیں نہیں، بعد کی ابدالآباد اور ہمیشہ کی زندگی ہوتی ہے۔

۲ — اللہ کو نہ بھولو: دوسری بات یہ فرمائی گئی (واذکروا اللّٰہ کثیرا لعلکم تفلحون) یہ ثبات، قدم کا جماؤ اور دل کی مضبوطی کیسے حاصل ہوگی؟ اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرنا، کبھی اللہ سے غافل نہ ہونا، تکبیر و تسبیح و تحمید و تہلیل کے کلمات زبان پر جاری رکھنا، دل کو ان سے معمور رکھنا، بغیر اس کے نہ ثبات حاصل ہوتا ہے نہ استقامت، اگر صرف اپنی تدبیر سے کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، ضرور اسباب کے درجے میں اپنی تدابیر کو اختیار کیا جائے، لیکن صرف اپنی تدابیر، لائحہ عمل اور منصوبوں پر عمل پیرا ہونا، اللہ کی مدد اور نصرت والے دروازوں کو بند کرنا اور اللہ کی طرف رجوع اور اللہ کے ذکر کو ترک کرنے سے مدد یں نہیں آسکتی۔ کامیابی ذکرِ الٰہی سے ملے گی۔

لا الہ الا اللہ کی ضرب صرف عقیدے کی ضرب نہیں ہوتی ہے، بلکہ ایک ایسی کیفیت احسانی ہوتی ہے، تزکیہ کا ایک مقام ہوتا ہے، تعلق مع اللہ کی ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تشبہ کی ایک ایسی صورتِ حال ہوتی ہے، کہ جس میں ریشہ ریشہ اللہ کی یاد میں مشغول ہوجاتا ہے، ہر بن مو سے، لا الہ الا اللہ کی صدا آتی ہے، پورا وجودِ انسانی اللہ کا ترجمان بن جاتا ہے، اور مسلمان سے یہی مطلوب ہے کہ وہ اللہ والا بن جائے، پھر اس کے بعد مومن کی حالت یہ ہوجاتی ہے کہ اس کا جسم کاٹ دیا جائے، ہڈیاں تراش دی جائیں، آرے چلا دئے جائیں، اس کا ایمان چھینا نہیں جاسکتا، اس سے انسان کو پھر محروم نہیں کیا جاسکتا۔

۳ — باطل کی حقیقت اور کمزوری: (واطیعوا اللّٰہ ورسولہ) تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ اللہ کے دین پر، اس کے نظام پر، اس کی شریعت پر، اس کے احکام پر عمل کی پابندی کرنا ہے، اللہ کی بات ماننا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننا، مضبوطی کے ساتھ اللہ کے دین پر عمل کرتے رہنا، قرآن وحدیث کے دامن کو ہر حال میں تھامے رہنا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے شمالی حصہ میں صحابہ کے ساتھ خندق کھود رہے ہیں، پھاوڑے

ہاتھوں میں ہیں، جو زمین پر چلائے جارہے ہیں، کدالیں ماری جارہی ہیں، ایک چٹان کسی طرح سے ٹوٹ نہیں رہی ہے، جوان تھک گئے ہیں، کدالیں ٹوٹ گئی ہیں، شکوہ اس نبی سے کیا جارہا ہے، جس کے پیٹ پر دودن کے فاقے کی علامت کے طور پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں، کہ ایک چٹان نہیں ٹوٹ رہی ہے، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پھاوڑے اور اپنی کدال کے ساتھ وہاں پہنچتے ہیں، اس چٹان پر ایک ضرب کاری لگاتے ہیں، لوہا پتھر سے ٹکراتا ہے تو چنگاریاں اچھلتی ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”**لقد اضاءت لی قصور العراق**“ ان چنگاریوں نے عراق کے محلات روشن کردیئے، پھر ایک مرتبہ ضرب لگاتے ہیں، چنگاریاں اٹھتی ہیں، فرماتے ہیں: ”**لقد اضاءت لی قصور الشام**“ انہوں نے میرے لئے شام کے محلات روشن کردیئے، پھر ایک مرتبہ ضرب لگاتے ہیں، چنگاریاں اٹھتی ہیں اور فرماتے ہیں: ”**لقد اضاءت لی قصور یمن**“ یمن کے محل میرے سامنے روشن ہوگئے۔

سن ۵ھ کا یہ واقعہ ہے، یہ غزوہ خندق کی ابتدائی تیاریاں ہیں، جس میں ظاہری اسباب متحدہ محاذ کی فتح کے ہیں، اور مسلمانوں کی فاش شکست کے، لیکن جب اہلِ ایمان نے نصرت دین کی شرط پوری کردی، تو نصرت الٰہی نے ان جتھوں اور لشکروں کو تتر بتر کردیا، اور ان کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا، ۶ھ میں یہ دشمن صلح پر مجبور ہوئے، اور ۸ھ میں یہ مرعوب و مغلوب ہو کر آخری شکست سے دو چار ہوئے، ہجرت کے صرف دس سال بعد جزیرۃ العرب فتح ہوگیا۔

۱۱ھ میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو حکم ہو رہا ہے، اب رومن امپائر کے چھکے چھڑا دو، اب گویا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں دنیا سے جارہا ہوں، اب یہ کام تمہارے ذمہ ہے، دنیا کو ظالموں کے ظلم سے آزاد کراو، بہر حال حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر جا ہی رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت طے ہوئی، تو ان کا پہلا کام یہ تھا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر روم کی سرکوبی کے لئے جائے، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں وہ منظر سامنے آیا کہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شام فتح کر رہے ہیں، عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہر القدس میں ”صفرونیس لاٹ نامی“ پادری سے کلیسا کی چابی لے رہے ہیں، مسجد اقصی کا دوبارہ قیام فرما رہے ہیں، پھر دیکھا گیا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایران فتح کر رہے ہیں، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر فتح کر رہے ہیں، عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ

افریقہ کی شمالی پٹی فتح کررہے ہیں، موسی بن نصیر کے غلام طارق بن زیاد اندلس فتح کررہے ہیں، محمد بن قاسم سندھ فتح کررہے ہیں، یہ نبوی حکمت عملی کا نتیجہ تھا، یہ للہی اور ربانی تربیت کا ثمرہ تھا۔

یہ تربیت مظاہروں اور جلسوں سے نہیں ہوتی، یہ حقیقی فنائیت فی اللہ کے ثمرات ہیں، جب لاالہ کی ضرب کاری باطل پہ پڑتی ہے، تب الااللہ کی حقیقت فتح ونصرت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، جب دل ودماغ میں اللہ کی عظمت وشہنشاہی کا سودا سماتا ہے، گھروں میں، مسجدوں میں، بازاروں میں اللہ کے ذکر کا شور وغلغلہ بلند ہوتا ہے، اسکولوں میں، کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں، یہاں تک کہ حکومت کے ایوانوں میں اللہ کی کبریائی کا بول بالا ہوتا ہے، تب حقیقی تبدیلیاں وجود میں آتی ہیں، اللہ کے وعدے پورے ہوتے ہیں، پھر اسلام کے معجزات اور مجاہدوں کی کرامات ظاہر ہوتی ہیں، اللہ کی نصرت ومدد کا ظہور ہوتا ہے، اللہ نے چاہا تو موسی کے عصا کو معجزہ بنادیا،، اللہ نے چاہا تو دم عیسی میں اعجاز پیدا کردیا، علیہم الصلوات والتسلیمات، اور جب اللہ نے چاہا تو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار وقتی معجزات، اور ایک دائمی معجزہ سے نوازدیا، اللہ نے چاہا تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو، عقبہ بن نافع کو اور کن کن اصحاب رسول اور غلامانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کرامات سے نوازا گیا۔

۴- ایک اور نیک بن جائیں (ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب رِیحکم) چوتھی بات یہ فرمائی گئی کہ آپس میں جھگڑا مت کرنا، نزاع، تفرقہ، اور چپقلش نہ پیدا کرنا، رائے کے اختلاف میں کوئی حرج نہیں، غور وفکر کے نتائج میں فرق ہو، کوئی حرج نہیں، لیکن ایک دوسرے کی عزت برقرار رکھی جائے، ایک دوسرے سے محبت کی جائے، ہر بڑے کا ادب کیا جائے، ہر چھوٹے پر شفقت کی جائے، سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کے رہا جائے، مسلک اور فکر کے اختلاف کو جھگڑوں اور مخاصمتوں کا سبب نہ بنایا جائے، اللہ کا صاف ارشاد ہے، اگر جھگڑا کروگے تو ناکام ہوگے، نامراد ہوگے، ذلیل ہوگے، رسوا ہوگے، تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

آج مسلمانوں کی پوری دنیا میں جو صورتِ حال ہے، وہ خاص طور پر قرآن پاک کی اسی آیت کی خلاف ورزی کی بنیاد پر ہے، جہاں بھی آپس میں اختلاف ہے، وہاں ذلت ہے، رسوائی ہے، اور جہاں مسلمان متحد ہیں، وہاں اللہ کی مدد ہے، نصرت ہے، حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے: ید اللہ علی الجماعۃ اجتماعیت کے ساتھ اللہ کی تائید ہوتی ہے، الگ الگ رہیں گے تائید الٰہی چھین لی جائے گی۔

اگر آج کے حالات میں کچھ کرنا ہے، تو پہلے یہ طے کریں کہ ہم اللہ والے بنیں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے فدائی بنیں گے، صحابہ رضی اللہ عنہ کے عاشق بنیں گے، اولیا اللہ سے محبت کریں گے، آپس میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کے رہیں گے، ہر طرح کے تفرقوں جھگڑوں اور خرخشوں کو دور کریں گے، ایمان کی بنیاد پر اخوت اور بھائی چارے کے رشتہ میں منسلک ہو جائیں گے، اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دیں گے، اپنی عورتوں کو دین کی فدائی اور شیدائی بنائیں گے، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ، فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کے نمونوں کو عام کریں گے، ہمارے یہاں ہر چیز سنت کے مطابق ہوگی، کسی مسئلہ میں بھی ہم سنت کو ترک کر کے فیشن کو اختیار نہیں کریں گے۔

ہم یقین کریں گے کہ ہدایت صرف اللہ کی ہدایت ہے، ہدایت صرف قرآن وحدیث سے حاصل کرنی ہے، اگر آپ یہ فیصلہ کرلیں گے، تو قسم بخدا بڑے سے بڑے ترقی یافتہ شہر سے یہ چھوٹی سی بستی آگے بڑھ جائے گی، پہلے دل کی دنیا کو درست کیجئے، دل کے قطب نما کی سوئی اللہ کی طرف کر دیجئے، پھر آپ کے جسم کا جہاز توحید کے رخ پر بڑھتا چلا جائے گا، لاالہ کی ضرب کاری پہلے اپنے دل کے نہاں خانہ پر لگائیے، پہلے دل کے اندر کے بتوں کو باہر نکالئے، اپنی خواہشات پر قابو پائیے، اپنے گھروں کے اندر باطل کو گھسنے سے روکئے، اپنے شیطان پر پے بہ پے حملے کیجئے، اس کی کمر توڑ کے رکھ دیجئے، اس پر غالب آجائیے، پھر آپ کی حفاظت کا وعدہ الٰہی ہے، اللہ نے فرمایا: (إن عِبادِی لیس لک علیھم سلطان :الحجر : ۴۲)

ابلیس نے جس وقت یہ کہا تھا کہ اے اللہ! میں تیرے بندوں کو گمراہ کردوں گا، تو اللہ نے فرمایا: جو میرے خاص بندے ہوں گے، ان پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا، جو صحیح معنی میں میرے بندے ہوں گے، میری بندگی کریں گے، میری اطاعت کریں گے، میری بات مانیں گے، میرے دین میں لگیں گے، او ابلیس! تیرا کچھ زور ان پر نہیں چلے گا، ظاہر ہے کہ جب ابلیس کا زور نہیں چلے گا، تو ابلیس کے شاگردوں کا کیا زور چلے گا؟ امریکہ ہو یا روس، برطانیہ ہو یا فرانس، طاقت ہو یا چالیں، کسی کا زور نہیں چلے گا، اور ابلیس شکست، اس کی ذریت کی شکست اور ان کے تمام ایجنٹوں کی شکست ہوگی۔

۵- حالات کا مقابلہ کیسے کیا جائے: (واصبِروا ان اللہ مع الصابِرین) پھر فرمایا گیا: صبر اختیار کرنا۔ صبر کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ اطاعت پر استقامت اختیار کی جائے، اور دوسرے یہ کہ گناہ سے اور برائی سے بچا جائے، یہ دونوں کام مضبوطی سے کرنا، اور ان پر ڈٹے رہنا، صحیح معنی میں صبر ہے، اور صبر و برداشت کا وہ رویہ اختیار کرنے کا حکم ہے، جس میں تحمل ہو، برداشت ہو، جس میں طیش نہ ہو، ٹینشن نہ ہو،

ردِعمل نہ ہو، کسی مطلوبہ چیز کو چھوڑا نہ جارہا ہو، غلو وتشدد نہ ہو، تحریف نہ ہو، انحراف نہ ہو، وہ حقیقی صبر ہے،

آگے فرمایا گیا: اے مسلمانو! اگر ان کو اختیار کروگے، پھر ایک گروہ کا مقابلہ کرو یا کئی گروہ کا کرو، تمہیں غلبہ حاصل ہوگا، اور اگر اس نسخہ کا استعمال نہیں کروگے، اس پروگرام پر عمل نہیں کروگے، تو دنیا تم پر غالب آتی چلی جائے گی، اور تم شکست کھاتے چلے جاوگے، کمزور ہوتے چلے جاوگے، مٹتے چلے جاوگے۔

اللہ کا قانون اس معاملہ میں بڑا غیر جانب دار ہے، اس کے یہاں اصول بتادئے گئے ہیں، جو عمل کرے گا اس کو حاصل ملے گا، اور جو نہیں کرے گا وہ محروم رہ جائے گا، پھر ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو اپنی ساری توجہات اللہ پر مرکوز کردیتا ہے، اللہ اس کی کفایت کرتا ہے، اس کے کام بنادیتا ہے، اور جو ادھر ادھر کے فکری انتشار میں رہتا ہے، دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے، فرمایا کہ اللہ اس کی کوئی فکر نہیں کرتا، وہ دنیا کی کسی وادی میں ہلاک وتباہ ہو، اللہ کو اس کی پرواہ نہیں۔

حالات کا مقابلہ اس ترتیب سے کرنا ہے، مقابلہ حیلوں سے، حوالوں سے، احتجاجوں سے، مظاہروں سے، ریلیوں سے، شکوہ شکایتوں کے انبار سے نہیں ہوتا، اس امت مسلمہ کے حالات دوسری قوموں کی طرح نہیں بدلتے، اس امت مسلمہ کے حالات قرآن کی رہنمائی میں بدلتے ہیں، حدیث کی روشنی میں بدلتے ہیں، سیرتِ طیبہ کے اسوہ سے بدلتے ہیں، صحابہ کرام کے نمونوں سے بدلتے ہیں، سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے سے بدلتے ہیں، اور سب سے بڑی بات، سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ اللہ کی محبت سے بدلتے ہیں۔

بہر حال بات لوٹ پھر کر وہی آتی ہے کہ ساری توجہ کو اللہ کی ذات پر مرکوز کردینا ہے، اور اللہ کی ذات کے سب سے معتبر اور اعلی نمائندہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس لئے ان کے دامن سے وابستہ ہوجانا ہے، ان کی ہر ادا پر قربان ہوجانا ہے، اور انہیں کی ہدایت کو اختیار کرنا ہے، یہ مختصر نسخہ ہے لیکن بہت ہی جامع نسخہ ہے۔ اس طرح ملک کے حالات بھی درست ہوسکتے ہیں، ہم بھی اپنے ملک میں چین وسکون کی زندگی گذار سکتے ہیں۔

تبرکات

ملفوظات

ازحکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد بستوی
معین مفتی دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور

فرمایا: دو چیزیں اہلِ علم کے لئے بہت ہی بری معلوم ہوتی ہیں، (۱) حرص، (۲) کبر۔ یہ ان میں نہیں ہونی چاہئیں۔

فرمایا: علماء کو اموال لینے میں سخت احتیاط برتنی چاہئے، آج کل اس کی پرواہ نہیں کی جاتی، اس میں بہت تسامح (چشم پوشی) سے کام لیا جاتا ہے، اس کا ضرر بہت زیادہ ہے، دین کی سخت بے وقعتی ہے، امراء کی طرف اگر خود التفات کیا جائے، خواہ کیسے ہی خلوص کے ساتھ، ان کو یہی گمان ہوتا ہے کہ ان کی کچھ غرض ہے، برخلاف غرباء کے، اگر غرباء سے شیریں کلامی (میٹھی بات) کی جائے تو پانی پانی ہوجاتے ہیں، نثار ہونے لگتے ہیں۔

دین کی وقعت محفوظ رکھنے کے لئے میں امراء سے ازخود کبھی تعلق پیدا نہیں کرتا، ہاں! وہ خود ہی تعلق پیدا کرنا چاہیں تو انکار بھی نہیں کرتا۔

حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب امیر تمہارے پاس دین کی وجہ سے آیا تو وہ نرا ''امیر'' نہیں، بلکہ ''نعم الامیر'' ہوگیا، دنیادار سمجھ کر اس سے ہرگز بے التفاتی نہیں کرنی چاہئے۔

فرمایا: کھانے کی نیت سے ہاتھ دھونا سنت ہے، ایک مرتبہ فرمایا کہ دونوں ہاتھ دھونا سنت ہے اور رومال وغیرہ سے پونچھنا نہیں چاہئے، البتہ کھانے کے بعد جو ہاتھ دھوئے ان کو پونچھے اور قبل کھانے کے صرف ہاتھ دھوئے کلّی نہ کرے، سنت یہی ہے، کیونکہ ہاتھ گو پاک ہوں لیکن بے موقع پڑے رہتے ہیں، کہیں کھجلا لیا، کہیں ناک میں انگلی ڈال دے دی، اسی لئے ہاتھوں کا دھونا سنت ہوا، منھ تو پاک ہی رہتا ہے اس کے دھونے کی کوئی ضرورت نہیں، البتہ کھانے کے بعد ہاتھوں کو دھونے کے بعد کلّی بھی کر کے منھ کو صاف کرے۔

فرمایا: دوسروں پر ہنسنا نہیں چاہئے، اکثر دیکھا ہے جو جس پر ہنسا خود اس عیب یا مصیبت میں مبتلا ہوا۔

فرمایا: چشم بند و گوش بند و لب بہ بند　　گر نہ بینی نورِ حق بر ما بخند

آنکھ، کان اور ہونٹ کو بند کر، اس کے بعد اگر تو نورِ حق نہ دیکھے تو ہماری ہنسی اڑا۔

کھلی ہوئی بات ہے، جب چاہو، تجربہ کرلو، ملنا جلنا کم کردو، بولنا کم کردو، ادھر اُدھر فضول دیکھنا بند کردو، معاصی سے اجتناب کرو، اس سے خود بخود فہم اور عقل میں نورانیت پیدا ہوگی، جو لوگ بک بک کرتے ہیں، ان کا فہم وعقل برباد ہوجاتا ہے، معاصی سے اِدھر اُدھر دیکھنے سے حواس منتشر ہوکر عقل خراب ہوجاتی ہے، مشاہدہ کی بات ہے۔

ایک صاحب کی بابت فرمایا کہ ان سے کوتوال نے سوال کیا کہ نبی اور ساحر میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ نبی بھی معجزات دکھلاتا ہے اور ساحر بھی ایسے ایسے عجیب کرشمے دکھلا سکتا ہے، تو انہوں نے خوب جواب دیا: جوڈا کو سرکاری وردی پہن کر اور کوتوال بن کر ڈاکے ڈالے تو میں پوچھتا ہوں کہ کوتوال اور ڈاکو میں کیا فرق ہے، وہی فرق ہے نبی اور ساحر میں۔

فرمایا: میں تو امراء کو مشورہ دیا کرتا ہوں کہ اگر تم کسی نیک کام میں روپیہ لگاؤ، تو اگر برکت چاہتے ہو تو غرباء کے بھی دو چار پیسے شامل کرلیا کرو، اگر ویسے نہ ہو تو مانگ کر ہی شامل کرلیا کرو، میں اس کی نظیر بتلایا کرتا ہوں کہ دیکھ لو جہاں خالص امراء کے مدرسے ہیں وہاں کیا نور برس رہا ہے کہ وہاں سے ایک عالم بھی نہ ہوا اور ایک سہارنپور کا مدرسہ ہے اور دیوبند کا مدرسہ ہے یہاں دیکھ لو کیسی رونق ہے، تو اچھا جہاں تمہارا خالص پیسہ ہے وہاں رونق کیوں نہیں ہوگی، معلوم ہوا کہ سب غرباء کے پیسوں کی برکت ہے۔

فرمایا: عورتوں میں نرمی اور انفعال کی شان زیادہ پائی جاتی ہے، ان کی اصلاح جلد اور آسان طریقہ سے ہوسکتی ہے اور ان کی اصلاح ہوجانے سے آئندہ اولاد تربیت یافتہ ہوسکتی ہے، کیونکہ ماں کی صحبت کا اثر بچوں پر شروع سے ہی پڑتا ہے۔

عورتوں کی اصلاح کے لئے بس یہ کافی ہے کہ وہ کتبِ دینیہ کا مطالعہ کریں، باقی آج کل ایسا نمونہ کہ جس کو وہ خود مشاہدہ کر کے اپنے اخلاق درست کرلیں، عورتوں میں ملنا قریب بہ محال ہے، اور خاوند کی معتقد نہیں ہوتیں، اس لئے بس کتاب پڑھا، یا سنا کریں، خاوندوں کو ان کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، آگے چاہے اصلاح ہو یا نہ ہو، بس ان کو کتابیں پڑھ کر سناتے رہیں، تو مواخذہ سے بَری ہوجائیں گے۔ (یہ تمام ملفوظات ”حکیم الامتؒ کی محفلِ ارشاد“ نامی کتاب سے ماخوذ ہیں۔)

اکابر مظاہر

آپ بیتی سے اقتباس

انتخاب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری کا انداز نگرانی :

حضرت سہارن پوری نوراللہ مرقدہٗ کو اس کا بہت اہتمام تھا کہ مدرسین اسباق کے اوقات کی بہت پابندی فرماویں، گھنٹے کے پانچ منٹ بعد فوراً سبق شروع ہوجائے اس سے پہلے شروع نہ ہو، اور گھنٹے سے پانچ منٹ پہلے سبق ختم ہوجائے، اس کے خلاف اگر کسی مدرس کی شکایت ہوتی تو حضرت کے یہاں سے مدرس سے جواب طلب ہوتا، حضرت قدس سرہٗ کا رعب جملہ مدرسین پر اتنا زیادہ تھا کہ بجائے سخت لفظ کہنے کے صرف پوچھ لینا ہی مدرس کے لئے کافی تھا، حضرت نوراللہ مرقدہٗ کو اس کا بھی بہت اہتمام تھا کہ اسباق اعتدال سے ہوں، حضرت اس کے نہایت شدید مخالف تھے کہ شروع میں لمبی چوڑی تقریریں ہوں اور آخر میں کتاب رمضانی تراویح کی طرح سے جلد جلد پڑھائی جائے، اس کی شکایت پر بڑے سے بڑے مدرس کو بھی تنبیہ سے گریز نہیں فرماتے تھے، اسی نظریہ کے ماتحت اور حضرت قدس سرہٗ کے آخری سہ سالہ زمانۂ تعلیم کے نقشوں کے موافق وہ نقشۂ تعلیم تیار کیا گیا جو عرصہ سے مدرسہ مظاہر علوم میں معمول بہ ہے، حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے یہاں تعلیم کی نگرانی کا بھی ایک خاص معمول تھا، جب طلباء کی طرف سے کسی مدرس کی شکایت گذرتی تو حضرت قدس سرہٗ کی اپنی سہ دری میں جہاں حضرت تشریف فرما ہوتے تھے، عین سبق کے وقت مدرس کے پاس یہ پیام پہنچتا کہ فلاں سبق گھنٹہ کے نیچے ہوگا، یہ ایک اصطلاحی لفظ اس زمانہ میں بن گیا تھا جس کی شرح یہ ہے کہ حضرت کی سہ دری میں ایک گھنٹہ لٹکا ہوا تھا، مدرس گھنٹہ کے نیچے بیٹھتا اور طلباء جن کی جماعت اس وقت چھوٹی ہوتی تھی مدرس کے تینوں طرف، اور حضرت قدس سرہٗ اپنی جگہ حجرہ کے سامنے تشریف فرما رہتے، اور پورے گھنٹہ وہاں سبق ہوتا، اور حضرت ساکت سنتے رہتے، سبق کے بعد اس وقت حضرت کچھ نہ فرماتے، اس کے بعد اگر طلباء کی شکایت صحیح ہوتی اور معمولی ہوتی تو مدرس کو تنبیہ فرماتے، اور اگر شدید ہوتی تو دو چار روز کے بعد وہ سبق دوسرے مدرس کے یہاں منتقل

کردیتے، اور اگر طلبہ کی شکایت غلط ہوتی یا معمولی ہوتی تو سرغنوں کا کھانا بند، اور اگر سخت ہوتی تو ان کا اخراج فرمادیتے، اس کا اثر ہمیشہ یہ رہا کہ مدرسین کو فکر رہتا کہ نہ معلوم سبق کب گھنٹہ کے نیچے پڑھانا پڑ جائے، اور طلبہ کو بھی شکایت کے اندر بہت غور وفکر کی ضرورت ہوتی کہ اگر حضرت کے نزدیک شکایت غلط ہوئی تو کھانا بند ہوجانا معمولی بات ہے اور اخراج کا امکان۔

اس کے علاوہ حضرت قدس سرہٗ کا یہ بھی معمول تھا کہ خصوصی مہمانوں کو مدرسہ دکھلانے کے لئے خود تشریف لے جاتے اور مہمان کو درس گاہ کے سامنے گشت کراتے ہوئے جس درس گاہ کے سامنے دل چاہے دس پندرہ منٹ کھڑے رہتے، اس ناکارہ کو گھنٹے والے قصّے سے تو کبھی سابقہ نہیں پڑا لیکن دوسرے مرحلہ سے بارہا گذرنا پڑا، اس ناکارہ کو اپنی جوانی میں بخار وغیرہ امراض کی وجہ سے سبق ناغہ کرنے کی عادت نہیں تھی، ایک دفعہ مشکوٰۃ شریف کا سبق نہایت شدت بخار کے اندر پڑھا رہا تھا ''مصرّ اۃ'' کی بحث تھی اور میں اپنے بخار کے دوران میں زوروں پر تھا اس زمانہ کے سفیر ہند مقیم جدّہ مدرسہ میں تشریف لائے، حضرت ان کو مدرسہ دکھلانے خود تشریف لے گئے اور دارالحدیث کے سامنے جہاں مشکوٰۃ ہورہی تھی تقریباً پندرہ منٹ سے زیادہ قیام فرمایا، مجھے حضرت کے کھڑا ہونے کا بالکل علم نہ ہوسکا، دفعتہً حضرت قدس سرہٗ پر نظر پڑی اور زبان لڑکھڑا گئی اور حضرت فوراً آگے بڑھ گئے، بعد میں طلبہ نے بتلایا کہ حضرت تقریباً پندرہ منٹ سے کھڑے تھے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کا فقر واستغناء

مخدومنا ومخدوم العالم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ نے فرمایا : حضرت اقدس مولانا الحاج شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سردی میں کوئی کپڑا سردی کا نہیں تھا، کسی سے اظہار کو غیرت مانع تھی، اس کی انتہائی کوشش میں رہتا تھا کہ کسی کو خبر نہ ہو، جب تک مسجد کے کواڑ کھلے رہتے، حمام کے سامنے سینکنے کے بہانے سے بیٹھا رہتا اور جب سب چلے جاتے تو مسجد کے اندر زنجیر لگا کر مسجد کی صف کے ایک کونے پر لیٹ کر کروٹیں بدلتا ہوا دوسرے کونے تک پہنچ جاتا، وہی صف اوڑھنا بچھونا بن جاتی تھی، سر اور پیروں کی طرف سے خوب ہوا لگتی رہتی تھی، تہجد کے وقت اسی طرح کروٹیں بدلتا ہوا دوسری جانب آجاتا، صف بچھ جاتی، پھر ارشاد فرمایا وہ سردی تو گذر گئی لیکن اللہ کے فضل سے اس کے بعد سے کوئی سال ایسا نہیں گذرا کہ مالک کی طرف سے ایک دو لحاف عمدہ ہدیہ کے نہ آئے ہوں۔

حضرت نور اللہ مرقدہٗ اپنے رائے پور کی حاضری کے ابتدائی دور کے قصے بھی بہت ہی لطف اور مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے، کیونکہ اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہٗ کے خادم خاص تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کولٹانے کے بعد جب دوپہر کو حضرت آرام فرماتے تو میں کواڑ بند کرکے مہمانوں کے کھانا پکنے کی جگہ جاتا۔ معزالدین مرحوم جو بڑے حضرت کے مہمانوں کے کھانے پکانے کے منتظم تھے، وہ سب مہمانوں کو کھلا کر مطبخ بند کرکے اپنے گھر چلے جاتے۔ میں وہاں جا کر دیکھتا، کبھی ایک آدھ روٹی بچی ہوئی ہوتی۔ سالن کی دیگچیوں سے پونچھ کر کھالیتا اور کبھی کچھ بھی بچا ہوا نہیں ہوتا تھا تو سوکھے ہوئے ٹکڑے طاقوں وغیرہ میں رکھے ہوئے مل جاتے تھے ان کو پیالے میں ڈال کر پانی میں بھگو کر نمک ڈال کر، اور اگر نمک نہ ملتا تو بغیر نمک ہی کے کھالیا کرتا تھا۔ کبھی پیٹ بھرتا، کبھی نہ بھرتا۔ کسی دوسرے سے تو کیا کہتا، میں نے کبھی معزالدین مرحوم سے بھی یہ نہیں کہا کہ تم نے میرے واسطے روٹی نہیں رکھی۔

ان اکابر کے حالات سے سبق لینا چاہئے کہ دنیا کی زندگی چاہے جتنی بھی زیادہ ہوجائے، بہرحال ختم ہونے والی ہے۔ موت سے کسی کو چارہ نہیں ہے، اور آخرت کی زندگی دائمی ہے کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ سمجھدار عقل مند کا کام ہے کہ دائمی زندگی کے لئے جو کچھ کرسکتا ہو کرلے۔

حضور کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم میں تم لوگوں پر فقر کا اندیشہ نہیں کرتا۔ مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ دنیا تم پر پھیل جائے گی جیسا کہ تم سے پہلوں پر پھیل چکی ہے اور تم اس میں دل لگا بیٹھو گے جیسا کہ وہ لوگ لگا بیٹھے تھے اور یہ دنیا تم کو بھی ایسے ہی ہلاک کردے گی، جیسے ان لوگوں کو ہلاک کیا ہے (مشکوٰۃ بروایت شیخین) ان حضرات اکابر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات کو دل میں جگہ دے رکھی تھی اور ان پر عمل کرکے دکھلایا۔ ہم لوگوں کو نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کی توفیق، نہ ان اکابر جن کے ہر قول وفعل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، کے اتباع کی امنگ اور شوق فالی اللّٰہ المشتکیٰ۔

اولٰئک اٰبائی فجئنی بمثلهم　　　اذا جَمَعَتْنَا یا جریرُ المجامع

لکھنے کو تو بہت جی چاہتا ہے مگر اس کے لئے تو بڑے دفتر چاہئیں۔ نمونہ کے لئے یہ بھی کافی ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

فقط محمد زکریا۔ مظاہر علوم سہارنپور　　۱۵؍ربیع الآخر ۸۸ھ

واقعات الفتاویٰ

فتاوی مظاہر علوم

مفتی بشیر احمد سہارنپوری
معین مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

حج فرض ہونے کی کچھ صورتیں

فرضیت حج کی شرائط میں سے ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ آدمی کے پاس مالی استطاعت موجود ہو، مالی استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس ضروریات زندگی اور جتنا وقت حج میں لگے گا اس کے بقدر بیوی بچوں کے اخراجات کے علاوہ آمدورفت اور وہاں کے قیام کا خرچ کسی بھی شکل میں موجود ہو، اس لحاظ سے درج ذیل صورتوں میں حج فرض ہوجائے گا:

۱— جس کے پاس مذکورہ اخراجات کے بقدر نقد رقم جمع ہو، خواہ کسی بھی مقصد کے لئے ہو۔

۲— جس مرد وعورت کے پاس مذکورہ اخراجات کے بقدر سونا چاندی یا ان کے زیورات موجود ہوں۔

۳— جس شخص کا کاروبار اتنا وسیع ہو کہ اگر وہ مذکورہ اخراجات کے بقدر رقم نکال لے تو اس کو گزربسر میں کوئی ناقابل برداشت دقت پیش نہ آئے۔

۴— جس کے پاس رہائش کے علاوہ کوئی مکان یا پلاٹ ہو یا خالی دوکان پڑی ہوئی ہو جس کی مالیت سے حج کی آمدورفت اور وہاں کے خرچ کا انتظام ہوسکتا ہو۔

۵— جس کے پاس اتنا بڑا باغ یا کھیت ہو کہ جس کے کچھ حصہ کو بیچ کر حج کے مذکورہ اخراجات کا انتظام ہوجائے اور گزربسر میں بھی ناقابل برداشت دقت پیش نہ آئے۔

وان کان له مسکن فاضل لایسکنه او عبد لایستخدمه او متاع لایمتهنه او کتب لایحتاج الی استعمالها وهی من العلوم الشرعیة وما یتبعها من الآلات الحربیة او ثیاب لایحتاج الی لبسها او ارض لایحتاج الی غلتها او کرم زائد علی قدر التفکه بها او حوانیت او نحو ذلک مما لایحتاج یجب بیعها ان کان به وفاء بالحج (غنیة الناسک ص: ۳۹)

حج علی الفور فرض ہے

جو آدمی مذکورہ مالی استطاعت رکھتا ہو اس پر فوری یعنی اسی سال حج کے لئے جانا لازم ہے، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے اور دنیوی ضرورتوں سے فارغ ہوجائیں، مثلاً بچوں کی شادی، مکان کی تعمیر، کاروبار کا نظم وغیرہ، یا بلا وجہ عمر رسیدہ ہونے کا انتظار کرتے ہیں وہ تاخیر حج کے گناہ کے مرتکب ہوں گے:

علی الفور فی أول سنی الوجوب وهو اول سنی الامكان علی القول الاصح عندنا وهو قول ابی یوسف واصح الروایتین عن ابی حنیفة فیقدم علی الحوائج الاصلیة كمسكنه وخادمه والتزوج وان لم یجب بها كما سیأتی (غنیۃ الناسک ص: ۲۱)

عورت کے لئے حج میں محرم کی شرط

عورت کے لئے شرائط حج میں سے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ اگر وہ مکہ مکرمہ سے مسافت سفر پر رہتی ہو تو پھر اس کے ساتھ سفر میں محرم ہونا بھی شرط ہے، اس کے بغیر اس کے لئے سفر حج پر جانا جائز نہیں، ورنہ سخت گنہگار ہوگی:

الرابع المحرم اوالزوج لإمرأة بالغة ولوعجوزاً ومعها غیرها من النساء الثقات والرجال الصالحین فی مسیرة سفر (غنیۃ الناسک ص:۴۷)

حج فرض کی ادائیگی کے لئے شوہر کی اجازت ضروری نہیں

اگر عورت پر حج فرض ہو چکا ہو اور ساتھ جانے کے لئے کوئی محرم بھی موجود ہو، مثلاً باپ، بھائی، بھانجہ، بھتیجہ وغیرہ تو ایسی صورت میں فوراً اس کے لئے حج پر جانا ضروری ہے، خواہ شوہر جانے کی اجازت نہ دے۔

ولیس لزوجها منعها عن حجة الاسلام (الدر المختار مع رد المحتار ۲/۱۴۶)

ویزٹ ویزہ سے حج وعمرہ

سعودی حکومت حج وعمرہ کے لئے مخصوص ویزہ جاری کرتی ہے جن کے لئے وہ ویزہ جاری ہو وہی حج وعمرہ کے مجاز ہوتے ہیں، لہٰذا اُسی ویزہ سے حج وعمرہ کرنا چاہئے، جو لوگ اس کے علاوہ ویزہ سے حج وعمرہ کرتے ہیں وہ قانون کی خلاف ورزی کے مرتکب ہیں، جو شرعاً جائز نہیں ہے:

فان الله تعالى امر الناس بطاعة اولى الامر بعدما امرهم بالعدل في الحكم تنبيها على أن طاعتهم واجبة ماداموا على العدل..... عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره مالم يؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة. متفق عليه (التفسير المظهري ۱۵۲/۲)

عمرہ کرنے سے حج کی فرضیت

عمرہ خواہ کبھی بھی کیا جائے اس کی وجہ سے حج فرض نہیں ہوتا، البتہ اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے، اس صورت میں حج فرض ہوجاتا ہے، وہ صورت یہ ہے کہ جس شخص نے حج نہ کیا ہو اور وہ شوال میں عمرہ کرنے کے لئے پہنچ جائے یا رمضان میں گیا ہو اور وہاں ماہ شوال شروع ہوجائے تو اس پر درج ذیل دو شرطوں کے ساتھ حج فرض ہوجائے گا:

(الف) اس کے پاس حج کرنے تک کے مصارف موجود ہوں۔

(ب) اس کو حکومت کی جانب سے ایام حج تک رُکنے اور حج کرنے کی اجازت بھی ہو :

والفقير الآفاقي إذا وصل إلى الميقات صار كالمكي، فيجب عليه وإن لم يقدر على الراحلة.... لأنه إذا وصل الميقات صار قادرا بقدرة نفسه وان كان سفره تطوعا ابتداءا.

(غنية الناسك ص: ۳۵، احسن الفتاوی ۵۲۹/۴)

اوران دوشرطوں کے ساتھ جو شخص بھی ایام حج شروع ہونے کے بعد وہاں پہنچ جائے خواہ عمرہ کی نیت ہو یا نہ ہو اس پر بھی حج فرض ہوجائیگا۔

حج سے پہلے اور بعد میں دعوتوں کا اہتمام

حج کی روح یہ ہے کہ وہ نام ونمود اور شہرت والے کاموں سے پاک ہو، لہٰذا اس سے پہلے یا بعد میں جو بعض لوگ دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں کہ جانے سے پہلے حاجی اپنے اعزہ واحباب کی اور آنے کے بعد اس کے اعزہ واحباب اس کی دعوت کرتے ہیں، یہ اہتمام والتزام خود بھی از روئے شرع مناسب نہیں ہے، اور بہت سی مرتبہ اس میں اور مفاسد ومنکرات بھی شامل ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی خرابی مزید بڑھ جاتی ہے، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

اخبارِ مظاہر

ترتیب : عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز اور جدید داخلے

حسبِ معمولِ قدیم مؤرخہ ۷؍شوال کو تمام اساتذہ کرام وملازمین، دفتر اہتمام میں جمع ہوئے، حضرت امین عام مولانا سید محمد شاہد الحسنی مدظلہ کا افتتاحی خطاب اور حضرت ناظم صاحب مولانا سید محمد عاقل مدظلہ کے حکم سے نائب ناظم مولانا سید محمد جعفر زید مجدہ نے افتتاحی دعا کرائی۔

حسبِ اعلان ۸؍شوال سے داخلوں کی کارروائی شروع ہوئی، امسال تقریباً ایک ہزار پانچ سو کے قریب جدید داخلہ فارم کی تقسیم ہوئی، جدید وقدیم اور تمام تخصصات کے شعبوں میں داخلوں کی کارروائی کی تکمیل کے بعد اساتذۂ کرام کے درمیان اسباق کی تقسیم ہو کر تمام شعبہ جات میں الحمدللہ ۳۰؍شوال ۱۴۴۳ھ مطابق یکم جون ۲۰۲۲ء بروز چہارشنبہ تعلیمی سلسلہ کا آغاز ہو چکا ہے۔

نئے اساتذہ کا تقرر

مؤرخہ ۱۳؍شوال ۱۴۴۳ھ کو مجلس تعلیمی کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں نئے اساتذہ کی تقرری کا مسئلہ پیش ہوا، اس سلسلہ میں موصول ہونے والی متعدد درخواستوں پر غور وخوض ہوا اور مجلس تعلیمی کے حضرات اراکین نے باقاعدہ انٹرویو کے ذریعہ مندرجہ ذیل پانچ حضرات اساتذہ کرام کا باضابطہ تقرر منظور کیا۔

۱— مولانا مفتی حیان بیگ علی گڑھی
۲— مفتی شعیب احمد سہارنپوری
۳— مفتی محمد جابر میواتی
۴— مفتی احمد علی سنبھلی
۵— مولانا قاری مسعود احمد مظاہری

ان پانچوں حضرات اساتذہ کے درمیان اسباق کی تقسیم ہوئی اور یہ حضرات اپنے اپنے امور مفوضہ کی انجام دہی میں مصروف ہو چکے ہیں۔

R.N.I. REGD. NO. 62489/95U.M

URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM



Rs. 30/

MADRASA MAZAHIR ULOOM